

أُصُولُ تَفْسِيرِ أَرُود

شیخ الاسلام ابن کثیر
رحمۃ اللہ علیہ

لمکتبۃ التفسیر



إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (قرآن)

اصول تفسیر

تصنیف

شیخ الاسلام احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ رحمہ اللہ

۵۶۱ھ --- ۵۷۲ھ

ترجمہ

مولانا عبد الرزاق صاحب بلخ آبادی مرحوم

تحقیق و تعلق

محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ

ناشر

المکتبۃ السلفیۃ

۴- شیش محل روڈ ۱ لاہور- پاکستان

جملہ حقوق ترجمہ و حواشی محفوظ ہیں

نام کتاب	-----	اصول تفسیر
مصنف	-----	شیخ الاسلام احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ
طابع	-----	احمد شاہ کر
مطبع	-----	موٹروے پرنٹرز
کمپوزنگ	-----	عاقب کمپوزنگ سنٹر، لوئر مال، لاہور
طبع جدید	-----	فروری ۲۰۰۱ء
تعداد	-----	۱۰۰۰
ناشر	-----	المکتبة السلفية
قیمت	-----	۔۔ روپے

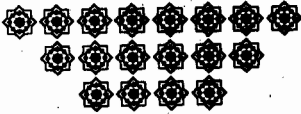
واحد تقسیم کار

دارالکتب السلفية، شیش محل روڈ، لاہور فون: 042-7237184

فہرست

۲۹	بے نتیجہ تفصیلات	۵	تقریب از حنفیہ بھوجیانی رحمہ اللہ
۲۹	اسراہیلیات	۸	دیباچہ از مترجم
۳۰	تفسیری منقولات اور انکی حیثیت استناد	۱۰	خطبہ
۳۳	صحت روایت کا معیار	۱۰	وجہ تالیف
۳۴	ایک اصولی قاعدہ	۱۰	علم صحیح کی دو قسمیں
۳۴	صحابہ و تابعین قابل اعتماد ہیں	۱۱	قرآن کے فضائل اور اس کے سمجھنے کی ضرورت
۳۵	اتفاق غلطی صحت کے منافی نہیں	۱۵-۱۳	فصل نمبر ۱
۳۶	طویل احادیث میں قدر مشترک کی صحت کافی ہے	۱۳	آنحضرت ﷺ نے تفسیر بھی سکھائی
۳۶	صحیحین کی صحت پر اجماع	۱۴	تفسیر میں صحابہ کا اختلاف کم ہے
۳۸	غلطی پر اجماع ممکن نہیں	۱۵	تفسیر میں حضرت مجاہد کا پایہ
۳۹	اجماع اہل فن سے حدیث قطعی صحیح ہو جاتی ہے	۱۵	تفسیر تابعین کی حیثیت
۴۱	محدثین کے اجماع کی حیثیت	۲۸-۱۶	فصل نمبر ۲
۴۱	شواہد کی حیثیت	۱۶	تفسیر سلف میں اختلاف کی کیفیت
۴۲	علم علل الحدیث کا مرتبہ	۲۰	سلف کا طریق تفسیر
۴۲	ثقفہ راوی کی غلطی کے اسباب	۲۰	صراط مستقیم کی تفسیر
۴۳	افراط و تفریط	۲۱	اختلاف کی ایک اور نوعیت
۴۵	احادیث فضائل	۲۱	بعض اور الفاظ کی تفسیر اور مختلف اقوال میں تطابق
۴۶	کتب تفسیر موضوعات	۲۲	شان نزول سے متعلقہ بعض مسائل
۵۲-۴۷	فصل نمبر ۲	۲۵	اختلاف کی چند اور مثالیں
۴۷	استدلال کی غلطی اور اس کے مضرت نائج	۲۵	تراویف و تضمین
		۲۷	سلف میں تفسیری اختلاف ہے لیکن معمولی
		۲۶-۲۹	فصل نمبر ۳
		۲۹	متاخرین مفسرین کے اختلاف کی نوعیت

۶۵	تفسیر بالرائے حرام ہے	۴۹	مطالب حدیث میں بھی ٹھوکر
۶۶	قرآن حکیم سے استشہاد	۴۹	بدعتی فرقوں کا قرآن سے برتاؤ
۶۶	سلف صالحین کا احتیاط	۵۰	معتزلہ کا انداز تفسیر
	مختصر فہرست حواشی	۵۱	معتزلہ کے اصول غسہ اور ان کی حقیقت
	صحیحین کی حدیثیں یقیناً صحیح ہیں اس پر	۵۲	عبارت آرائی کا فتنہ
	تفصیلی بحث۔۔۔۔۔	۵۳	روافض کی تفسیروں کے نمونے
۳۶		۵۴	خرافاتی تفسیریں
	امام بخاریؒ کا اپنی صحیح میں انداز تنقید	۵۵	مخالف سلف تفسیر بدعت کی راہ ہے
	احادیث		فصل نمبر ۵
۴۳		۵۷-۵۶	
	بعض فرقوں کا ذکر۔۔۔۔۔	۵۶	نتیجہ بحث سابق
۴۹		۶۳-۵۸	فصل نمبر ۶
	زمانہ حال کی بعض عربی اردو تفسیروں کی	۵۸	تفسیر کا صحیح طریقہ
	کشاف سے مشابہت	۶۱	اسرائیلی روایات کی حیثیت
۵۲		۷۰-۶۳	فصل نمبر ۷
	مسئلہ صفات الہیہ وغیرہ میں اکثر شارحین		تفسیر میں تابعین کے اقوال کی حیثیت
۵۶		۶۵	مختلف اقوال میں تطبیق کی ضرورت
	حدیث کا معتزلہ سے تاثر		
۵۷			
	صوفیوں کے حقائق تفسیر کا ذکر۔۔۔۔۔		



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

تقریب

ساتویں صدی ہجری کے نامور مجدد اسلام شیخ الاسلام امام احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ التونی ۷۲۸ھ قدس اللہ روحہ و نور ضریحہ کے تجدیدی کارناموں میں سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے علمی اور اصلاحی حلقوں کی توجہ قرآن حکیم اور حدیث پاک کے مطالعہ کی طرف براہ راست موڑ دی۔ آپ کا یہ ایسا امتیازی وصف ہے جو ان پانچ سات صدیوں میں بہت ہی کم کسی کے حصہ میں آیا ہوگا۔

جہاں تک اندازہ ہو سکا ہے آپ نے اس کے لیے تین طریقے اختیار فرمائے: ایک یہ کہ اپنے عہد کے جملہ مسائل (کلامی ہوں یا فقہی، معاشرتی ہوں یا اقتصادی و سیاسی) پر جو مباحث لکھے، اس میں آیات قرآنی اور احادیث نبوی کو اس کثرت سے مدار استدلال بنایا ہے کہ دوسرے مروجہ طریقہ ہائے استدلال سب بیچ ہو گئے، اور شاید پہلی دفعہ یہ حقیقت نکھر کا سامنے آئی کہ سب ہی شعبہ ہائے زندگی میں قرآن و حدیث کی راہنمائی موجود ہے۔ دوسرا یہ کہ قرآن حکیم کے فہم میں جہاں جہاں متکلمین، فقہاء اور بدعتی فرقوں نے ٹھوکریں کھائیں، ان مقامات کی خود تفسیر فرمائی، جس میں سب علمی و عقلی مغالطوں کے پردے چاک کر دیئے۔ یہ تفسیری حصے آپ کی تصانیف میں بعض مباحث کے ضمن میں بھی آگئے ہیں جو نہایت اہم ہیں، لیکن بعض حصوں کو الگ بھی تحریر فرمایا ہے، مثلاً تفسیر سورہ اخلاص وغیرہ۔ تیسرا یہ کہ سلف کے طریق تفسیر کی وضاحت فرمائی۔ مخالف سلف صالحین تفسیروں کے مشابہت غلط امور کی نشان دہی ایسے انداز سے کی ہے، جس سے صحیح و غلط تفسیر میں امتیاز واضح ہو جاتا ہے۔ اس بحث کو بھی اپنی تحریروں میں خوب خوب پھیلا یا ہے۔ مستقل طور سے زیر نظر رسالہ ”مقدمہ اصول تفسیر“ اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔

بدعتی فرقوں کو--- پرانے طرز کے اہل بدعت ہوں یا ”نئی روشنی“ کے بدعتی--- قرآن

حکیم کو اپنے حسبِ منشاء استعمال کرنے میں سب سے زیادہ جو دقت پیش آتی ہے وہ حدیث شریف کا وجود ہے۔ اس لیے ان کے پرانے اور نئے ”محقق“ ہمیشہ حدیث پاک ہی میں شک پیدا کرنے پر زور قلم صرف کرتے رہے اور نئے نئے طریقے حدیث پاک پر حملے کے پیدا کرتے اور پھیلاتے رہے۔ حضرت امامؑ نے اپنے اس مختصر لیکن بے نظیر رسالے میں اس موضوع پر بہت عمدہ اور مدلل بحث فرمائی ہے اور صحیح حدیث میں شک پیدا کرنے والے باریک سے باریک شبہات کو کریدا اور نہایت کامیاب طریقہ پر ان کا حل کیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی ہر طبقہ کے اصحاب تفسیر کو اصول تفسیر میں جو بعضین پیش آتی رہی ہیں ان کو نہایت عمدگی سے سلجھا دیا ہے۔

اس رسالے کے مختلف اجزاء متفرق طور پر کتابوں میں ملتے تھے (۱) لیکن مستقل تالیف کا پتہ نہ چلتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے دمشق کے ایک حبلی عالم استاد محمد جمیل کو ۱۲۷۰ھ کا لکھا ہوا ایک مخطوطہ ملا جسے انہوں نے ۱۳۵۵ھ میں شائع کر دیا۔

آئندہ صفحات میں جو ترجمہ ہے وہ اسی مطبوعہ رسالے کا ہے ترجمہ کے لیے مولانا عبدالرزاق صلیح آبادی کا نام نامی کافی ضمانت ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت امامؑ کی تصانیف کے تراجم کا جو سلیقہ عطا فرمایا تھا وہ انہی کا حصہ تھا اور پھر خوبی یہ کہ آپ کے تراجم کو برصغیر میں حسن قبول حاصل ہے۔

احقر نے اس پر مزید یہ کام کیا ہے کہ:

(۱) آیات قرآنی کے اعراب لگائے ان کے تراجم لکھے اور حوالے درج کیے۔

(۲) احادیث کے بھی حوالے لکھے۔

(۳) حضرت امامؑ نے اس رسالے کے بعض مباحث میں اختصار سے کام لیا ہے جب کہ اپنی دوسری تصانیف میں اس کی تفصیل فرمادی ہے۔ از بس کہ بعض اجمال غلط فہمیوں کے پیدا ہونے کا سبب ہو سکتے ہیں اس لیے اور بعض دیگر وجوہ سے احقر نے ضروری مقامات پر حاشیہ میں تفصیل درج کر دی ہے۔

(۴) تابعین، تبع تابعین، ائمہ، فقہاء، محدثین، متکلمین اور معتزلہ وغیرہ فرقوں کے جہاں نام آئے ہیں ان کا بہت ہی مختصر سا تعارف حاشیہ پر کر دیا گیا ہے تاکہ اردو دان طبقہ کے لیے مفید

ہوسکے۔

(۵) اس ضمن میں بعض اصطر ادبی فوائد بھی زبان قلم پر آ گئے ہیں جو موقعہ کی مناسبت سے فائدہ سے خالی نہیں ہیں۔ امید ہے اصحاب ذوق انہیں پسند فرمائیں گے۔

(۶) سہولت کے لیے ہر بحث پر عنوان قائم کر دیا گیا ہے۔

قارئین کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر کسی جگہ کوئی غلطی معلوم ہو تو اس سے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ طبع میں اس سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔

دعا ہے اللہ سبحانہ و تعالیٰ قرآن وحدیث کے صحیح فہم اور ان پر عمل کی توفیق ارزانی فرمائے۔

وعلیک التکلان!

خادم العلم والعلماء

احقر ابو الطیب

محمد عطاء اللہ حنیف اثری بھوجیانی - عفا اللہ عنہ

۲۷ / رجب ۱۴۳۷ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

دیباچہ از مترجم

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کے ان گنت احسانوں میں سے یہ رسالہ بہت بڑا احسان ہے۔ کتنی کے ان چند صفحات میں علوم کے خزانے سمیٹ دیے ہیں اور امت کو بتا دیا ہے کہ کتاب اللہ کو کس طرح سمجھنا چاہئے اور کتاب اللہ کی کس طرح تفسیر کرنا چاہئے۔ مسلمانوں کی ایک بد نصیبی یہ بھی ہوئی کہ کتاب اللہ کو ہدایت نامہ سمجھنے کی جگہ اسے بحث و جدل، علمی ورزش اور اظہارِ قابلیت کا ذریعہ بنایا گیا۔ تفسیروں کے انبار لگ گئے اور ان تفسیروں نے کتاب اللہ پر پردے ڈال دیے۔

پرانے وقتوں میں یونانی فلسفے، ایرانی ادہام اور ہندی تصوف کے جال پھیلے ہوئے تھے۔ موجودہ زمانے میں یورپ کی ذہنی غلامی نے عقلوں پر قبضہ کر رکھا ہے اور یورپ کی خرافات کو بھی حقائق سمجھ لیا گیا ہے۔ کتاب اللہ کو توڑ مروڑ کر یورپین نظریوں پر منطبق کرنے کا ایک جنون پھیلا ہوا ہے۔ کوئی ڈارون کی تھیوری، قرآن سے ثابت کرتا ہے اور کوئی انشائون کے نظریے کو قرآن پر چسپاں کرتا ہے۔ چالاں کہ کتاب اللہ کا مقام اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے کہ اسے انسانی تخیلات کا تابع بنا جائے۔ کتاب اللہ نہ عقلیات کی مکاب ہے نہ سائنس میں دخل دیتی ہے۔ وہ تو انسانی ہدایت کے لیے آئی ہے اور اس سے کھیلنا نہیں بلکہ ہدایت حاصل کرنا چاہئے تھا۔ قرآن عقل سلیم کے عین مطابق ہے، لیکن اس کا مطلب ہوتا نہیں کہ علماء یورپ کے جملہ نظریات و ادہام کی کسوٹی پر بھی پورا اترے۔

تفسیر میں گمراہی کا اصلی سبب اس بنیادی حقیقت کو بھول جانا ہے کہ قرآن کے مطالب وہی ہیں جو اس کے مخاطب اول نے سمجھے اور سمجھائے ہیں۔ قرآن محمد ﷺ پر نازل ہوا اور قرآن بس وہی ہے جو محمد ﷺ نے سمجھا اور سمجھایا ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے یا تو علمی روحانی نکتے ہیں جو قلب مومن پر القا ہوں اور یا پھر اقوال و آراء ہیں۔ انکل پچو باتیں ہیں جن کے محتمل قرآنی لفظ کبھی ہوتے ہیں اور کبھی نہیں ہوتے۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ وہ باتیں قرآن سے مقصود نہیں

ہیں۔ قرآنی مقصود صرف وہی ہے جو رسولؐ نے سمجھا اور سمجھایا ہے۔ دوسری کسی بات کو مقصود قرآنی کہنا، ظلم و زیادتی ہے اور افتراء علی اللہ۔

بے شک قرآن عربی زبان میں اترتا ہے، مگر کیا ہر وہ شخص تفسیر کر سکتا ہے جو عربی زبان کا عالم ہے؟ اس طرح کی بات کوئی مجنون یا جاہل ہی کہہ سکتا ہے۔ تفسیر کے لیے محض عربی لغت کا علم کافی نہیں ضروری ہے کہ وہ ماحول بھی سامنے ہو جس میں قرآن اترتا تھا، کیونکہ ماحول کی تبدیلی سے لفظوں کے مدلول و منشاء میں بڑی بڑی تبدیلیاں ہو جاتی ہیں۔ اس سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ اسلامی اصطلاحوں پر عبور ہو، اسلامی روح سے کما حقہ واقفیت ہو، لیکن اس سب کے بعد بھی تفسیر صحیح نہیں ہو سکتی، جب تک رسول خدا ﷺ کی جناب سے حاصل نہ کی جائے، کیونکہ قرآن کے تہا شارح اور مفسر رسول خدا ہی ہیں۔ کوئی دوسرا نہیں۔

شیخ الاسلام نے یہ بھولی ہوئی بنیادی حقیقت بڑی خوبی سے یاد دلا دی ہے اور وہ تمام اصول بیان کر دیے ہیں جو کتاب اللہ کی تفسیر کے لیے ضروری ہیں۔

فجزاه الله عن المسلمين خیر الجزاء

عبدالرزاق بلخ آبادی

جنوری ۱۹۵۲ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

رب یسر و اعن برحمتک

پروردگار! آسانی بخش، اور اپنی رحمت سے اعانت فرما۔

خطبہ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا
و من سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضلل فلا هادي
له و اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له و اشهد ان محمداً
عبده و رسوله صلى الله عليه وسلم تسليماً.

”تعریف خدا ہی کے لیے ہے، اسی سے ہم مدد چاہتے ہیں، اسی سے گناہوں کی
مغفرت طلب کرتے ہیں، اور خدا ہی سے مانگتے ہیں پناہ اپنے نفس کی شرارتوں اور
اپنے اعمال کی برائیوں سے جسے خدا ہدایت بخشتا ہے، اسے گمراہ کرنے والا کوئی نہیں،
اور جس کے حق میں گمراہی مقدر ہو چکی ہے، اسے راہ ہدایت دکھانے والا کوئی نہیں۔
اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی ساجھی شریک
نہیں، اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ لہذا بعد:

وجہ تالیف:

بعض احباب نے مجھ سے درخواست کی کہ ایک ایسا مقدمہ لکھ دوں، جو قواعد کلیہ پر حاوی ہو،
قرآن کے فہم اور اس کی تفسیر و معانی کی معرفت میں معین ہو، اس بارے میں منقول و معقول، حق و
باطل کی تمیز کرنے والا اور قیل و قال میں فیصلہ کن دلیل کی راہ دکھانے والا ہو۔ یہ اس لیے ضروری
ہے کہ کتب تفسیر میں رطب و یابس کی بھرمار ہے۔ کھلا ہوا باطل بھی موجود ہے اور روشن حق بھی۔

علم صحیح کی دو قسمیں:

علم دو ہی طرح کا ہے: یا تو نبی کی طرف سے سچی روایت کے ساتھ منقول ہو، یا دلیل معلوم

اس کی پشت پناہی کر رہی ہو۔ ان دونوں قسموں کے علاوہ جو کچھ ہے، کھوٹا سکہ ہے اور پھینک دیے جانے کے لائق اور یا پھر ایسی چیز ہوگی جس کے کھرے کھوٹے ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن کے فضائل اور اس کے سمجھنے کی ضرورت:

امت کے لیے فہم قرآن از بس ضروری ہے کہ ”قرآن ہی خدا کی مضبوط ری ہے۔ وہی ذکر حکیم اور صراط مستقیم ہے۔ اس میں نہ خواہشیں کچھ پیدا کر سکتی ہیں نہ زبانیں شک ڈال سکتی ہیں۔ بار بار دہرانے سے وہ پرانا نہیں ہوتا۔ اس کے عجائبات کبھی ختم ہونے کے نہیں۔ علماء کو اس سے کبھی سیری نہیں ہو سکتی۔ جو کوئی اس کے بموجب کہتا ہے، سچ کہتا ہے۔ جو کوئی اس پر چلتا ہے، اجر پاتا ہے۔ جو کوئی اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے، عدل برتا ہے۔ جو کوئی اس کی طرف بلاتا ہے، صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ جو کوئی سرکشی سے اسے چھوڑ دیتا ہے، خدا سے ہلاک کر ڈالتا ہے اور جو کوئی اس سے روگرانی کر کے ہدایت چاہتا ہے، خدا سے گمراہی کے حوالے کر دیتا ہے“ (۱) فرمایا:

فاما یا تینکم منی ہدی فمن اتبع ہدای فلا یضل ولا یسقی، و من اعرض عن ذکرى فان له معیشتہ ضنکاو نحشرہ یوم القیامۃ اعمی
قال رب لم حشرتني اعمی و قد كنت بصیرا، قال کذلک انتک
ایاتنا فنسیتہا و کذلک الیوم تنسی (سورۃ طہ ۱۴۳-۱۴۵)

”پھر اگر پہنچے تم کو میری طرف سے ہدایت، پھر جو چلا میری راہ بتلائی پڑ نہ وہ بہکے گا اور نہ وہ تکلیف میں پڑے گا اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے، تو اس کو ملتی ہے گذران تنگی کی اور لائیں گے ہم اس کو قیامت کے دن اندھا۔ وہ کہے گا اے رب! کیوں اٹھایا تو نے مجھ کو اندھا اور میں تو تھا دیکھنے والا، فرمائے گا، یوں ہی پہنچی تھی تجھ کو ہماری آیتیں، پھر تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج تجھ کو (ہم) بھلائیں گے“ اور فرمایا:

۱- والدین کے درمیان ایک حدیث کا ترجمہ ہے جو مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن میں ہے۔ اخر جہ الترمذی

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ
سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى
صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (المائدہ ۳:۱۶)

”بے شک تمہارے پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب ظاہر کرنے والی
جس سے اللہ دکھاتا ہے اس کو جو تابع ہو اس کی رضا کا سلامتی کی راہیں اور ان کو نکالتا
ہے اندھیروں سے روشنی میں اپنے حکم سے اور ان کو چلاتا ہے سیدھی راہ پر۔“

اور فرمایا:

الرَّسُولُ كَذَّابٌ أَتَى اللَّهَ بِحَقِّ الْيَقِينِ إِنَّهُ أَنزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ
الَّذِينَ كَفَرُوا سُبُلَ السَّلَامِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لَنُؤْتِيَ حَسْرَةً لِّكُلِّ أَهْلٍ
بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَأَنزَلْنَا لَكُمْ فِي الْحَقِّ آيَاتٍ لِّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ
رَبِّهِمْ إِلَى صِرَاطٍ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ اللَّهُ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي
الْأَرْضِ (سورۃ ابراہیم)

”یہ ایک کتاب ہے جسے ہم نے اتارا ہے تمہاری طرف تاکہ تم نکالو لوگوں کو
اندھیرے سے روشنی کی طرف ان کے رب کے حکم سے زبردست خوبیوں والے کی
راہ کی طرف وہ اللہ جس کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں۔“

اور فرمایا:

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ
وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَنِ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّا
لَتَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ. صراط الذی له ما فی السموات وما فی
الارض الا الی اللہ تصیر الامور (الثوری: ۵۳)

اور اسی طرح بھیجا ہم نے تمہاری طرف ایک فرشتہ اپنے حکم سے تم نہ جانتے تھے
کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ کیا ہے ایمان لیکن ہم نے رکھی ہے یہ روشنی اس سے راہ بجا
دیتے ہیں جس کو چاہیں اپنے بندوں سے اور بے شک تم جھاتے ہو سیدھی راہ اللہ
کی اسی کا ہے و کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں دیکھو اللہ ہی تک پہنچتے ہیں سب
”کام“

پس میں نے خدا کی بخشی ہوئی توفیق سے محض یادداشت پر یہ مختصر مقدمہ لکھ دیا ہے سو اللہ

الہادی الی سبیل الرشاد (اور خدا ہی راہ راست کی طرف راہ دکھانے والا ہے)

فصل ①

آنحضرت ﷺ نے تفسیر بھی سکھائی:

سب سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کو جس طرح قرآن کے لفظ بتائے اسی طرح قرآن کے معانی بھی بتائے ہیں، کیونکہ آیت ”لَتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ“ (النحل: ۶۳^①) کے حکم میں یہ دونوں باتیں داخل ہیں۔

ابو عبد الرحمن سلمی^(۲) کا قول ہے کہ جن لوگوں نے ہمیں قرآن پڑھایا، مثلاً عثمان بن عفان اور عبد اللہ بن مسعود وغیرہ نے وہ ہم سے کہتے تھے کہ ”جب ہم نبی ﷺ سے دس آیتوں کی تعلیم حاصل کر چکے تھے تو اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک ان آیتوں کا علم و عمل مکمل نہ کر لیں۔ اس طرح ہم نے علم و عمل دونوں کی تعلیم حاصل کی“ (۳)

یہی وہ ہے کہ ایک ایک سورت کے حفظ میں ان بزرگوں کو ایک مدت لگ جایا کرتی تھی۔ حضرت انس بن مالک فرمایا کرتے تھے ”ہمارا کوئی آدمی جب سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران پڑھ لیتا تھا تو ہماری نگاہوں میں بڑا ابن جاتا تھا“ (مسند احمد) اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر کو سورہ بقرہ کے حفظ میں کئی سال لگ گئے تھے۔ امام مالک کے موطا میں ہے کہ آٹھ سال لگے تھے۔

نبی ﷺ کا صحابہ کو معانی قرآن کی تعلیم دینا ان آیات سے بھی ثابت ہے:

- ۱- تاکہ بیان کرو تم اس کتاب کو جو لوگوں کے لیے نازل کی گئی ان کی طرف (ع-ح)
- ۲- ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن حبیب السلمی الکوفی - مشہور تابعی، ۴۰ سال تک مسجد میں بیٹھ کر قرآن پڑھایا کیے۔ ثقہ ہیں (تہذیب التہذیب صفحہ ۱۸۳ جلد ۵) ایک صوفی ابو عبد الرحمن سلمی ہے جس کا ذکر آئندہ صفحہ ۸۶ پر آئے گا۔

کتاب انزلناہ الیک مبارک لیدبروا ایاتہ (ص ۲۹/۲۳)
 ”یہ کتاب ہے مبارک جسے ہم نے تمہاری طرف اتارا ہے، تاکہ یہ لوگ اس کی آیات
 کو سوچیں“

اور

افلا یتدبرون القرآن (محمد ۳. ۲۴)
 ”یہ لوگ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے؟“

اور

افلم یدبروا القول (مومنون ۶۸/۴)
 ”کیا انہوں نے بات پر غور نہیں کیا؟“

اور ظاہر ہے کہ فہم و تدبر ممکن ہی نہیں جب تک بات کے معنی نہ سمجھے جائیں۔ اسی طرح
 فرمایا:

ان انزلناہ قرانا عربیا لعلکم تعقلون۔ (الزخرف-۱/۲)

”ہم نے یہ قرآن عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ تاکہ تم لوگ سمجھو!

اور بات عقل میں کیسے آسکتی ہے جب تک سمجھی نہ جائے!

پھر معلوم ہے کہ ہر گفتگو اسی لیے ہوتی ہے کہ اس کے معنی سمجھے جائیں نہ کہ محض لفظ سن لیے
 جائیں اور قرآن کا معاملہ تو بدرجہ اولیٰ فہم و تدبر کا متقاضی ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ لوگ کسی فن
 کی کتاب پڑھیں، مثلاً طب کی یا حساب کی اور اسے سمجھنے کی کوشش نہ کریں۔ جب عام کتابوں کا
 یہ حال ہے تو کتاب اللہ کا فہم کس قدر ضروری ٹھہرتا ہے، وہ کتاب اللہ جو مسلمانوں کے لیے اصلی
 بچاؤ ہے، جس میں ان کی نجات و سعادت ہے، جس سے ان کے دین و دنیا کا قیام ہے۔

تفسیر میں صحابہؓ کا اختلاف کم ہے

یہی سبب ہے کہ تفسیر قرآن میں صحابہؓ کا اختلاف بہت ہی کم ملتا ہے۔ تابعین میں اگرچہ
 صحابہ سے زیادہ اختلاف ہے، لیکن بعد والوں کے مقابلے میں پھر بھی کہیں کم ہے۔ ہر بہتر زمانے
 میں اتفاق و ہم آہنگی اور علم و بیان زیادہ ہی پاؤ گے۔

تفسیر میں حضرت مجاہدؒ کا پایہ

تابعین میں ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے پوری تفسیر صحابہؓ سے حاصل کی تھی۔ مجاہدؒ کہتے ہیں میں نے مصحف قرآنی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے پیش کر دیا۔ ہر آیت پر انہیں ٹھہراتا اور ان سے مطلب سمجھتا تا۔ اسی لیے امام سفیان ثوری^(۱) فرمایا کرتے تھے۔ جب تمہیں تفسیر مجاہدؒ^(۲) سے پہنچے تو بس بالکل کافی ہے^(۳) اور یہی وجہ ہے کہ امام شافعی^(۴) اور امام بخاری^(۵) وغیرہ مجاہدؒ کی تفسیر پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اسی طرح امام احمدؒ وغیرہ جنہوں نے تفسیریں مرتب کی ہیں دوسروں کے مقابلے میں مجاہدؒ سے زیادہ روایت کرتے ہیں۔

تفسیر تابعین کی حیثیت

غرض کہنے کی یہ ہے کہ تابعین نے تفسیر بھی اسی طرح صحابہؓ سے حاصل کی ہے جس طرح علم سنت ان سے پایا ہے اگرچہ تابعین نے جس طرح استنباط و استدلال کی راہ سے بعض سنتوں پر گفتگو کی ہے اسی طرح استنباط و استدلال کی غرض سے کسی کسی تفسیر میں بھی وہ گفتگو کرتے ہیں۔

۱- سفیان بن سعید ثوری (۹۷-۱۶۱ھ) مشہور اور ضلیل القدر تابعی ہیں (تہذیب ص ۱۱۱-۱۱۵ جلد ۴)۔

۲- مجاہد بن جبر الہکلی (۱۰۰ھ) مشہور تابعی اور ثقہ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو تیس مرتبہ قرآن سنایا۔ امام عثمٰںؓ سے منقول ہے کہ بعض لوگ ان کی تفسیر سے اس بنا پر احتراز کرتے تھے کہ یہ اہل کتاب سے اخذ کرتے ہیں۔ (تہذیب ص ۴۳ ج ۱۰) لیکن اس سے ان کے ثقہ ہونے پر اثر نہیں پڑتا نہ ان کے صدق میں کسی کوشہ ہے۔ (ع-ح)

۳- تفسیر ابن جریر ص ۴۰ جلد ۴

۴- امام محمد بن ادریس الشافعیؒ شافعی کتب فکر کے مقتدا علم اصول فقہ کی تدوین کی ابتدا آپ ہی سے ہوئی۔ وفات ۱۵۰ھ۔

۵- امام اہلبیت امام محمد بن ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمۃ اللہ علیہ قرآن حکیم کے بعد سب سے صحیح کتاب ”صحیح بخاری“ کے جامع جس میں ایک حصہ تفسیر کا بھی ہے۔ ایک بڑی تفسیر بھی آپ نے لکھی۔ وفات ۲۵۶ھ۔

۲۵۶ھ

۶- امام احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی رحمہ اللہ وفات ۲۴۱ھ

فصل (۲)

تفسیر سلف میں اختلاف کی کمیت و کیفیت

سلف کے مابین تفسیر میں اختلاف کم ہوا ہے۔ احکام میں تفسیر سے زیادہ اختلاف صحیح طور پر ان سے مروی ہے، تنوع کا ہے نہ کہ تضاد کا اور یہ اختلاف دو قسم کا ہے:

ایک یہ کہ ایک بزرگ نے مطلب ظاہر کرنے کے لیے ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جو دوسرے شخص کے الفاظ سے مختلف ہیں اور مطلب کے اس حصے پر دلالت کرتے ہیں جس پر دوسرے کے لفظ دلالت نہیں کرتے، مگر دونوں کے الفاظ کا مسکنی ایک ہی ہے۔ اس کی مثال ایسے اسماء کی ہے جو ایک ہی مسکنی کے نام ہیں، مگر مسکنی کی مختلف صفات کو ظاہر کرتے ہیں جیسے سیف، صارم، مہند تینوں نام تلوار ہی کے ہیں، مگر تلوار کی مختلف صنعتوں کا اظہار کرتے ہیں۔ یہی معاملہ خدا کے اسمائے حسنیٰ اور رسول خدا ﷺ کے اسمائے محمودہ کا ہے کہ اسماء کا مسکنی ایک ہی ہے اسمائے الہی میں سے جس اسم کے ساتھ چاہیے دعا کیجئے ایک ہی ذات مقدس سے دعا ہوگی۔ ایک نام سے دعا دوسرے نام سے دعا کے مخالف نہ ہوگی۔ خدا فرماتا ہے:

قُلْ اَدْعُوا اللّٰهَ وَاَدْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَا تَدْعُوْنَ فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى -
(بنی اسرائیل ۱۱-۱۲)

”کہہ دو! (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر جو کہہ کر پکارو گے تو اس کے بہت اچھے اچھے نام ہیں۔“

خدا کا ہر نام اس کی ذات پر بھی دلالت کرتا ہے اور اس کی کسی خاص صفت پر بھی۔ مثلاً علیم، ذات الہی پر بھی دلالت کرتا ہے اور صفت علم پر بھی۔ اسی طرح قدیر کی دلالت ذات اقدس پر بھی ہے اور قدرت پر بھی۔ اسی طرح رحیم ذات برتر کو بھی ظاہر کرتا ہے اور صفت رحمت کو بھی۔ مذہب ظاہری کے جن مدعیوں نے کہا ہے کہ اسمائے الہی، صفات الہی پر دلالت نہیں

کرتے، تو ان کا یہ مسلک حقیقت میں باطنی فرقوں^(۱)، قرامطہ وغیرہ کے اقوال کی قبیل سے ہے جو کہتے ہیں کہ خدا کو نہی کہنا چاہیے اور نہ یہ کہنا چاہیے کہ حی نہیں ہے۔ وہ خدا سے دونوں نقیضوں کی نفی کرتے ہیں۔ یہ قرامطہ بھی خود اسمائے الہی کے منکر نہیں ہیں۔ انہیں تسلیم کرتے ہیں، مگر ضمیروں کی طرح محض علم قرار دیتے ہیں، اور ان سے ثابت ہونے والی صفات کے منکر ہیں۔

بنابریں مذہب ظاہری میں اپنے دعوائے غلو کے باوجود جو لوگ یہاں وہی بات کہتے اور مانتے ہیں، جس کے قائل یہ قرامطہ باطنیہ ہیں تو اس بارے میں وہ بھی قرامطہ باطنیہ کے ہمواد ہم مسلک بن جاتے ہیں^(۲)۔ مگر یہ موقع اس بحث کا نہیں۔ مقصود یہ کہنا ہے کہ اسمائے الہی میں سے ہر اسم ذات الہی پر بھی دلالت کرتا ہے اور اس صفت پر بھی، جو اس سے سمجھی جاتی ہے نیز بطریق لزوم دوسرے اسم کی صفت پر بھی دلالت کرتا ہے۔

یہی حال نبی ﷺ کے اسمائے شریفہ کا ہے، مثلاً محمد، احمد، ماجی، حاشر، عاقب اور یہی حال اسمائے قرآن کا ہے، مثلاً قرآن، فرقان، ہدی، شفا، بیان، کتاب وغیرہ۔ اب اگر کہا جائے کہ مسمی متعین ہونا چاہیے تو جواب میں ہم ہر اسم کو استعمال کر سکتے ہیں اگر سائل اس اسم کے مسمی سے واقف ہے۔

اسم کبھی علم ہوتا ہے اور کبھی صفت، مثلاً سائل سوال کرتا ہے کہ ارشاد خداوندی ”وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي“ میں ذکر کیا چیز ہے؟ تو ہم جواب دیں گے ”ذکر قرآن ہے یا خدا کی اتاری ہوئی کتابیں ہیں یہ اس لیے کہ ذکر مصدر ہے اور کی اضافت کبھی فاعل کی طرف ہوتی ہے

۱- باطنیہ اسماعیلیہ قرامطہ وغیرہ مختلف ناموں سے ایک شیعوں کا غالی فرقہ مراد ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ شیعہ فرقہ کو بھی ان سے کچھ نسبت نہیں ہے۔ یہ تیسری صدی ہجری میں عباسیوں کے دور حکومت کی پیداوار ہے۔ مجوسیت، یہودیت اور یونانی فلسفہ کا عجیب مرکب ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے ”طلل والنخل شہرستانی طبع جدید ص - ۳۳۳ ج ۱۔“

۲- غالباً یہ اشارہ حافظ ابن حزم (المتوفی ۴۵۶ھ) کی طرف ہے۔ کیونکہ مصنف علام کی رائے میں مسئلہ صفات میں ان کا مسلک صحت و صواب سے ہٹا ہوا ہے۔ منہاج السنہ (۲۵۱-۲۵۲ ج ۱) میں اس پر تفصیل سے لیکن معقول اور سنجیدہ رو کرتے ہوئے ان کی طرف سے عذر بھی بیان فرمایا ہے کہ:

فان من نفاة الصفات مع تعظيم للمحمد ﷺ والسنه والا امام احمد وغلطني ذلك بسبب انه اخذ هنيئا من اقوال الفلاسفة والمعتزلة عن بعض شيوخه ولم يتفق من بين له خطاهم ا ه (بقية اگلے صفحہ پر)

اور کبھی مفعول کی طرف۔ مفعول کی طرف اضافت مراد لی جائے تو ذکر سے مراد وہ لفظ ہوں گے جن کے ذریعہ آدمی خدا کو یاد کرتا ہے، جیسے یہ لفظ: **سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ**

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) (ابن حزم) ”صفات باری کی نفی کرنے والوں سے ہیں حالانکہ حدیث و سنت اور امام احمد وغیرہ کی بڑی عظمت کرتے ہیں ان کی اس غلطی کا باعث یہ ہے کہ اپنے بعض اساتذہ سے یونانی فلاسفہ اور معتزلہ کے اقوال ان کو ملے جن سے وہ متاثر ہو گئے اور ان کی خرابیاں ان پر واضح نہ ہو سکیں۔ موقع کی مناسبت سے راقم عرض کرتا ہے کہ فلسفہ یونانی اور اس کے شاگردوں (معتزلہ) سے (مسئلہ صفات الہی وغیرہ میں) صرف حافظ ابن حزم ہی متاثر نہیں ہیں بلکہ بہت دوسرے متاخرین بھی ہیں۔ ان میں بعض ایسے فضلاء بھی ہیں کہ تفسیر و حدیث میں ان کی خدمات گراں قدر اور شاندار ہیں، لیکن ان نصوص صریحہ میں جن میں صفات باری تعالیٰ وغیرہ کا ذکر ہے تاویلات کا ارتکاب کرتے ہیں بلکہ بعض وقت صحیح بخاری کی مسلمہ امت صحیح حدیث کی صحت میں تشکیک پیدا کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ مثال میں امام رازی اور امام غزالی کا نام پیش کیا جاسکتا ہے اور کچھ ایسی ہی کیفیت ہمارے زمانے کے بعض مفسرین کی ہے۔ دیکھئے مصر کے علامہ محمد عبدہ اور ان کے شاگرد علامہ رشید رضا کی مصر میں ان کی اصلاحی اور سیاسی مساعی بڑی قابل قدر ہیں اور آخر الذکر تو سلفیت کے بھی شیداء معلوم ہوتے ہیں لیکن فلسفہ جدیدہ اور اس کے شاگردوں (مستشرقین وغیرہم) سے شدید طور پر متاثر ہیں۔ اور انہوں نے ان کی تفسیر ’المنار‘ کافی حد تک مفید ہونے کے باوجود صحابہ و تابعین و ائمہ سلف کے مسلک سے ناآشناؤں کے لیے مضرب بھی ہے۔ مسئلہ حیات مسیح، احادیث و جہاں پر تنقید، سود کی بحث ”طیر ابابیل“ کی تفسیر وغیرہ ان امور میں فلسفہ حاضرہ سے شعوری یا غیر شعوری تاثر کی وجہ سے ان کے قلم سے حق کے خلاف سرزد ہو گیا ہے۔ عفا اللہ عنہم۔ اور یہ بات واقعہ کے سراسر خلاف ہے (جیسا کہ بعض حضرات کا خیال ہے) کہ تفسیر المنار امام ابن جریر اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے طرز تفسیر پر ہے۔

اسی قسم کے خدشہ کا اظہار مصر ہی کے ایک اہل حدیث عالم علامہ محمد منیر دمشقی نے بھی فرمایا ہے جو علامہ محمد عبدہ کے مدرسہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں اور دونوں (استاذ شاگرد) کے مداح بھی ہیں۔ تفسیر مذکور کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ **فتح لہیرہ بابا واسعا من ملحدی زماننا فی ذلک وهذا لسنن الغیر المشروعة (نموذج من الاعمال الخیریة ص ۳۰۲)** (ہمارے زمانے کے ملحدین کے لیے اس تفسیر نے (تادیل و تحریف کا دروازہ کھول دیا ہے اور یہ نامناسب طریقہ ہے) پھر اس کی چند مثالیں ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ یہاں استقصاء مقصود نہیں اس کے لیے کئی جلدوں کی ضرورت ہے:

وَاللَّهُ أَكْبَرُ۔ اور فاعل کی طرف اضافت مانی جائے تو ذکر سے مراد خود خدا کی جانب سے ذکر ہوگا اور یہ ذکر خدا کا کلام ہے۔ آیت ”وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي“ میں یہی مراد ہے کیونکہ اس سے قبل فرمایا چکا ہے ”فَأَمَّا يَا تِينَكُم مِّنِي هُدَىٰ فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ“ (طہ) اور معلوم ہے خدا کی ہدایت اس کا اتارا ہوا ذکر ہی ہے اور یہ اس لیے بھی کہ اس کے بعد ہی فرمایا ہے۔ ”قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا قَالَ كَذَلِكِ

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) بل اردت بیان ماعن بسخاطری من سنین ورايته خلاف الصواب مع الكباب اهل هذا العصر عليه بدون تمييز بين غشه وسمينه فكل قول يوخذ منه ويرد الاقول صاحب الشريعة (نموذ ص ۳۰۴)

”بلکہ مقصد ان چند باتوں کی نشان دہی ہے جو کئی سال سے غلط ہونے کی وجہ سے کھٹک رہے تھے باوجودیکہ لوگ اس پر گمراہ پڑتے ہیں اور غلط صحیح میں کچھ امتیاز نہیں کرتے اور یاد رہے آنحضرت ﷺ کے سوا ہر شخص کا قول قابل رد و قبول ہے۔“

علامہ محمد منیر دمشقی نے اس تمبرے میں یہ بھی واضح فرمایا کہ کیوں ان کو ایسے تمبرے کی ضرورت پڑی۔ حقیقت یہ ہے کہ مصر وغیرہ (اور اب پاکستان میں بعض کج رو لوگ اپنا الحاد پھیلانے کے لیے ایسی ہی تفسیروں کا سہارا ڈھونڈتے ہیں اور بہت سے سادہ لوح اسی ”تحقیق“ سے دھوکے کا شکار ہو جاتے ہیں جس میں بیٹھے اور غیر محسوس زہر کی آمیزش ہوتی ہے۔

اور یہ صورت کچھ اب ہی سامنے نہیں آ رہی ہے بلکہ نویں صدی میں بعض زیدی معتزلہ نے جب حدیث و اہل حدیث کے خلاف طوفان مچا کیا تو یہی طریقہ انہوں نے بھی اختیار کیا تھا چنانچہ اس کے جواب میں اس وقت کے ایک محقق اہل حدیث بزرگ علامہ محمد بن ابراہیم الوزیر (متوفی ۸۴۰ھ) کو لکھنا پڑا کہ تاویلات کا یہ پلندا جو بعض اہل حدیث میں بھی پایا جاتا ہے۔ فمن فیض علومکم هذا النی التسخیر تم بممارستھا (یہ سب تمہارے (معتزلہ) ہی علوم کے ”فیض“ کا اثر ہے جن پر تم پھولے نہیں ساتے)

بعد فرمایا: ومن بقى منهم على ما كان عليه السلف الصالح سلم من جميع ما حدث من التعمق فى الانظاراه (الروض الباسم فى الذب عن سنة ابى القاسم ص ۹-۲۷) (اور جو اہل حدیث سلف صالح کے طریق پر کار بند رہے وہ اس قسم کی موشگافیوں کی بدعات سے الگ تھلگ رہے۔)

اَتَتْكَ اِيَّاْنَا فَنَسِيْتَهَا -“ (۱) غرض کہ سائل کا مقصود یہ جاننا ہے کہ ذکر الہی خدا کا اتارا ہوا ذکر ہے یا بندے کی طرف سے خدا کا ذکر ہے تو اب خدا کا ارشاد کہ میرا ذکر میری کتاب میری ہدایت تو ان سب اسماء کا مسمیٰ ایک ہی رہے گا، لیکن اگر سائل کا مقصود وہ خاص صفت جاننا ہو جو اس اسم کے ساتھ خاص ہے، مثلاً سائل جانتا ہے کہ القدوس (بہت پاک) السلام (سلامتی والا) المؤمن (امن دینے والا) سے مراد خدا تعالیٰ کی ذات ہے، لیکن پوچھتا ہے کہ خدا کے القدوس السلام المؤمن ہونے کے کیا معنی ہیں؟ تو مسمیٰ متعین کرنے سے زیادہ ہمیں کچھ کہنا ہوگا۔

سلف کا طریق تفسیر

یہ اصل واضح ہوجانے کے بعد سمجھ لینا چاہیے کہ سلف بارہا یہ کرتے ہیں کہ مسمیٰ کا بیان ایسی عبارت سے کر جاتے ہیں جو بعینہ ذات مسمیٰ پر دلالت کرتی ہے، اگرچہ اس سے ایسی صفت کا اظہار بھی ہوتا ہے جو دوسرے اسم میں نہیں ہوتی، جیسے وہ کہیں کہ احمد حاشر ہیں، ماحی ہیں، عاقب ہیں، اور قدوس وہ ہے جو غفور و رحیم ہے، ایسے موقع پر سلف کا مقصد یہ دکھانا ہوتا ہے کہ مسمیٰ تو ایک ہی ہے، مگر دونوں صفتیں ایک نہیں ہیں، اور معلوم ہے کہ یہ اختلاف تضاد کا اختلاف نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگ غلطی سے خیال کرتے ہیں۔

”صراط مستقیم“ کی تفسیر

اس کی ایک اور مثال سنو۔ صراط مستقیم کی تفسیر میں بعض سلف نے فرمایا کہ وہ قرآن ہے۔ یہ قول نبی ﷺ کے اس ارشاد کی پیروی میں ہے جو ترمذی اور ابو نعیم میں متعدد طرق سے مروی حدیث علیؑ میں موجود ہے کہ فرمایا ”قرآن“ جبل اللہ التین ہے، ذکر حکیم ہے اور وہی صراط مستقیم ہے۔ (۲) یہ تفسیر بعض سلف کی ہے، لیکن بعض دوسرے بزرگان سلف کا قول ہے کہ صراط مستقیم اسلام ہے، اور یہ قول، نو اس بن سمانؑ کی اس حدیث کے تتبع میں ہے جو سنن ترمذی وغیرہ میں آئی ہے، جس میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ ”خدا نے صراط مستقیم کی یہ مثال دی ہے کہ صراط کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں اور دیواروں میں کھلے ہوئے دروازے ہیں، اور دروازوں پر

۱۔ اس آیت کا جس کے کٹے یہاں ذکر ہوئے ہیں ترجمہ صفحہ ۱۴ پر گذر چکا ہے۔

۲۔ مکتوٰۃ صفحہ ۱۸۶، باب فضائل القرآن۔

پردے چھٹے ہوئے ہیں۔ ایک منادی، صراط کے اوپر سے پکار رہا ہے اور دوسرا منادی، صراط کے سرے پر سے پکار رہا ہے۔ ”فرمایا، تو صراط مستقیم اسلام ہے اور دیواریں حدود الہی ہیں اور کھلے ہوئے دروازے، محارم الہی ہیں اور صراط کے سرے کا منادی، کتاب اللہ ہے اور صراط پر کا منادی، قلب مومن میں واعظ الہی (ضمیر) ہے۔“ (۱)

دیکھو، صراط مستقیم کی یہ دونوں تفسیریں ظاہر میں مختلف معلوم ہوتی ہیں، لیکن حقیقت میں مختلف نہیں بلکہ متفق ہیں، ایک ہیں، کیونکہ دین اسلام اتباع قرآن ہی کا دوسرا نام ہے، لیکن ہوا یہ کہ ہر مفسر نے ایسے وصف کی طرف اشارہ کیا جو دوسرے کے وصف سے الگ تھا۔ پھر لفظ صراط تیسرے وصف کی طرف بھی رہنمائی کرتا ہے۔

اسی طرح صراط مستقیم کی تفسیر، سنت و جماعت سے، طریق عبودیت سے طاعت اللہ والرسول وغیرہ سے بھی کی گئی ہے، مگر یہ سب لفظ ایک ہی ذات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ان مفسروں میں کوئی اختلاف نہیں۔ ہر ایک نے کسی ایک صفت کو بیان کیا ہے۔

اختلاف کی ایک اور نوعیت

اختلاف کی دوسری قسم یہ ہے کہ ہر مفسر اسم عام کی کسی ایک نوع کا مثال کے طور پر تہذکرہ کر دیتا ہے تاکہ سامع کا ذہن پوری نوع کی طرف منتقل ہو جائے اور یہ مقصد نہیں ہوتا کہ اس نوع کی جامع مانع تعریف کی جائے، مثلاً ایک عربی زبان سے ناواقف عجمی آدمی سوال کرتا ہے کہ خمز کیا ہے؟ اور جواب میں ایک روٹی دکھا کر بتا دیا جاتا ہے کہ خمز یہ ہے۔ ظاہر ہے اس طرح اشارہ روٹی کی پوری نوع کی طرف ہوتا ہے۔ نہ کہ ہاتھ میں اٹھائی ہوئی اس ایک روٹی کی طرف۔

بعض اور الفاظ کی تفسیر اور مختلف اقوال میں تطابق

اس کی مثال اس آیت کریمہ کی تفسیر سے سمجھ میں آجائے گی:

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ
وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ - (الفاطر ۴: ۳۲)

”پھر ہم نے وارث کیے کتاب کے وہ لوگ جن کو چن لیا ہم نے اپنے بندوں سے، پھر کوئی ان سے برا کرتا ہے اپنی جان کا اور کوئی ان سے بچے کی راہ پر اور کوئی ان میں

آگے بڑھ گیا ہے نیکوں میں۔“

اب ظاہر ہے کہ ظالم لِنَفْسِهِ میں واجبات کا ضائع کرنے والا اور محرمات کا مرتکب بھی داخل ہے۔ اسی طرح مقتصد کے مفہوم میں واجبات کا پابند اور منہیات سے مجتنب بھی داخل ہے۔ اسی طرح سابق میں وہ بھی داخل ہے جس نے سبقت کرنے کے واجبات کے ساتھ حسنات کے ذریعہ بھی قربت الہی حاصل کی ہے۔

اب مفسر حسنات و طاعات میں سے کسی ایک نوع کا ذکر کر دیتا ہے، مثلاً کہتا ہے، سابق وہ ہے جو اول وقت میں نماز ادا کرتا ہے اور مقتصد وہ ہے جو اثنائے وقت میں نماز پڑھتا ہے اور ظالم لِنَفْسِهِ وہ ہے جو صلاۃ عصر میں آفتاب کے اصرار تک تاخیر کر دیتا ہے۔

یامثلًا مفسر کہتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کے آخر میں بتا دیا ہے کہ سابق مقتصد اور ظالم کون لوگ ہیں چنانچہ وہاں صدقہ دینے والے کو محسن، سود خوار کو ظالم اور بیع و شراء میں ٹھیک رہنے والے کو عادل قرار دیا ہے۔ مالی معاملات میں آدمی یا تو محسن ہے یا عادل یا ظالم۔ جو شخص واجبات کے ساتھ مستحبات بھی بجالاتا ہے سابق محسن ہے۔ سود کھانے والا یا زکوٰۃ روک لینے والا ظالم ہے اور مقتصد وہ ہے جو فرض زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور سود نہیں کھاتا۔

غرض کہ اس قسم کی تفسیروں میں کسی ایک نوع کا تذکرہ کر دیا گیا ہے جو آیت کے عموم میں داخل ہے اور عرض یہ ہے کہ سامع سمجھ جائے کہ آیت کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے اور اس کے تذکرے سے اس کے اشباہ و نظائر کی طرف اس کا ذہن منتقل ہو جائے اور یہ ٹھیک بھی ہے کیونکہ مثال سے جو تعریف کی جاتی ہے وہ ”حد مطابق“ سے زیادہ آسان ہوتی ہے اور جلد سمجھ میں آ جاتی ہے۔ عقل سلیم مثال سے نوع کو جان جاتی ہے جیسے ایک روٹی کی طرف اشارہ روٹی کی پوری نوع بتا دیتا ہے۔

شان (۱) نزول سے متعلق بعض مسائل

اسی طریقے پر سلف اپنی تفسیروں میں اکثر کہتے ہیں کہ فلاں آیت فلاں شخص یا فلاں معاملے میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ کتب تفسیر میں اسباب نزول کا بیان ہوتا ہے۔ مثلاً سلف نے کہا ہے کہ آیت ظہار ثابت بن قیس بن شماس کی عورت کے بارے میں نازل ہوئی اور آیت

لعان، عویر عجمانی یا ہلال بن امیہ کے بارے میں اتری اور آیت کلامہ جابر بن عبد اللہ کے حق میں نازل ہوئی اور یہ کہ آیت ”وَأَن اٰحْكُمُ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ“ (۱) (المائدہ: ۷-۷۹) یہودی قبیلوں، بنی قریظہ اور بنی نضیر کے بارے میں نازل ہوئی اور آیت ”وَمَن يُّوْلٰهُم يُّوْمِنِدْ ذُبْرَةً“ (۲) (الانفال: ۲: ۱۶) غزوہ بدر کے سلسلے میں اتری اور آیت ”شَهَادَةٌ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدُكُمْ الْمَوْتُ“ (۳) تمیم داری اور عدی بن زید کے معاملے میں اتری اور حضرت ابو ایوب کا یہ قول کہ آیت ”وَلَا تَلْقَوْا اِبَانِيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ“ (۴) (البقرہ: ۲۴: ۱۹۵) ہم انصار کے متعلق نازل ہوئی۔

اس قسم کے اقوال بکثرت ہیں کہ سلف کہہ دیتے ہیں کہ فلاں آیت مشرکین مکہ کے حق میں نازل ہوئی یا اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے متعلق یا مومنین کے کسی خاص گروہ کے بارے میں تو ان اقوال سے ان کا مقصود یہ نہیں ہوتا کہ ان آیتوں کے احکام انہی اشخاص سے مخصوص ہیں اور دوسرے سے ان کا تعلق نہیں اس قسم کی بات کوئی مسلمان بلکہ کوئی ہوشمند بھی نہیں کہہ سکتا۔

اس بارے میں تو اختلاف ہوا ہے کہ آیت میں سبب کی بنا پر جو لفظ عام استعمال ہوا ہے وہ اسی سبب کے ساتھ خاص ہے یا نہیں، لیکن علمائے اسلام میں سے کسی نے بھی نہیں کہا کہ کتاب و سنت کے عموماً متعین اشخاص ہی کے ساتھ خاص ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایسے عموماً متعین اشخاص کے اشبہ و امثال کے ساتھ خاص ہیں یعنی ان کا حکم ایسے تمام لوگوں کو گھیرے ہوئے ہے جو ان اشخاص کے مشابہ ہوں۔

جس آیت کا سبب نزول معلوم و متعین ہے اگر وہ امر یا نہی کی آیت ہے تو اس کا حکم یقیناً

۱- ”اور فیصلہ کیجئے ان کے درمیان اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ“

۲- اور جو کوئی اس دن اپنی پیٹھ پھیر لے۔ ”پوری آیہ شریفہ اس طرح ہے:

وَمَن يُّوْلٰهُم يُّوْمِنِدْ ذُبْرَةً اِلَّا مَتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مَتَحِيْرًا اِلَى فِتْنَةٍ لَّقَدْ بَاءَ بِغَضَبِ اللّٰهِ وَاُوَاوَاةٍ جَهَنَّمَ وَاِنَّ الْمَصِيْرَ -“

۳- ”تمہاری آپس کی گواہی جب تم میں سے کسی کو موقت آ رہی ہو۔“ اس قصے کی تفصیل ترمذی اور تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں ہے۔ لیکن وہاں عدی بن زید کی بجائے عدی بن بداء ہے۔ واللہ اعلم۔

۴- ”تم اپنے ہاتھ ہلاکت کی طرف مت الود۔“ اس قصے کی تفصیل ابن کثیر اور سنن ترمذی اور سنن ابو داؤد وغیرہ میں ہے۔ (ع ۶۶)

ان سب لوگوں پر جاری ہوگا جو شخص متعین سے ملتے جلتے ہوں۔ اسی طرح اگر آیت میں مدح یا ذم کی بنا پر کوئی خبر دی گئی ہے تو وہ بھی اس شخص کے مشابہ تمام لوگوں کے حق میں عام ہے۔

سب نزول کا علم آیت کے سمجھنے میں مدد دیتا ہے، کیونکہ سب معلوم ہو جانے سے مسبب بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ اسی بناء پر فقہاء کا زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ جب قسم کھانے والے کی نیت معلوم ہو سکے تو دیکھنا چاہیے کہ قسم کھانے کی تحریک کس سبب سے ہوئی۔

اور جب سلف کہتے ہیں کہ یہ آیت 'فلاں معاطے میں نازل ہوئی ہے تو ان کی غرض کبھی یہ ہوتی ہے کہ آیت کا سبب نزول یہ ہے اور کبھی مقصد یہ ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ وہ معاملہ اس آیت کے حکم میں داخل ہے اگرچہ خود وہ معاملہ سبب نزول نہ بھی ہو۔

علمائے محدثین کا اختلاف ہے کہ جب صحابی کہے کہ آیت 'فلاں بارے میں نازل ہوئی ہے تو اس کا یہ قول حدیث مسند قرار دیا جائے یا محض صحابی کی تفسیر جو حدیث مسند نہیں سمجھی جاتی؟ امام بخاری نے ایسے قول کو حدیث مسند مانا ہے مگر دوسرے محدثین ایسا نہیں کرتے۔ اکثر کتب مسانید مثلاً مسند احمد وغیرہ اسی اصطلاح کے مطابق ہیں، لیکن جب صحابی سبب بیان کر کے کہتا ہے کہ آیت اس وجہ سے نازل ہوئی ہے تو ایسے قول کو تمام محدث حدیث مسند ہی مانتے ہیں۔

پھر یہ بھلی یاد رہے کہ سلف میں سے ایک شخص جب کہتا ہے کہ آیت اس بارے میں نازل ہوئی ہے اور دوسرا شخص کسی اور بارے میں نزول بتاتا ہے تو اس سے لازم نہیں ہوتا کہ دونوں میں اختلاف ہے جب کہ آیت کے مفہوم میں دونوں قول داخل ہوں۔ اسی طرح جب ایک صحابی ایک سبب نزول بتاتا ہے اور دوسرا صحابی دوسرا سبب بیان کرتا ہے تو اسے بھی اختلاف پر محمول نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ ممکن ہے آیت دومرتبہ نازل ہوئی ہو، ایک دفعہ ایک سبب پر دوسری دفعہ دوسرے سبب پر۔

تنوع تفسیر کی ان دونوں قسموں کو جن کا ہم نے تذکرہ کیا ہے اور جو سلف امت کی تفسیروں میں اکثر ملتی ہیں، اختلاف سمجھ لیا گیا ہے، حالانکہ ان میں اختلاف نہیں ہے۔ محض تنوع ہے جو کبھی اسماء و صفات کے تنوع کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی اس لیے پیش آتا ہے کہ مسکن کی تمام تفسیر نہیں ذکر ہوئی، بعض ہی انواع و اقسام کا تذکرہ کیا جاتا ہے جیسا کہ تمثیلات کا معاملہ ہے۔

اختلاف کی چند اور مثالیں

سلف کی تفسیر میں ایک اور بھی ایسا اختلاف ملتا ہے جو خود لفظ کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور یہ اس طرح کہ لفظ کے معنی ایک سے زیادہ ہوتے ہیں۔ اس کی دو صورتیں ہیں:

ایک صورت یہ ہے کہ لغت میں لفظ ایک سے زیادہ معانی کے لیے مشترک ہے جیسے لفظ قسورہ کہ اس کے معنی تیر انداز کے بھی ہیں اور شیر کے بھی یا لفظ عسعس کہ رات کی آمد کو بھی کہتے ہیں اور رات کے خاتمے کو بھی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اصل میں تو لفظ کے معنی متعین ہیں، مگر اس سے مراد معنی کی کوئی ایک نوع یا ایک شخص بتایا جائے، جیسے اس آیت میں ضمیروں کا معاملہ ہے۔ ”ثم دنی فندلی فکان قاب قوسین او ادنی۔“ (النجم) اور جیسے اس آیت کے لفظ ”والفجر و لیل عشر والشفع والوتر۔“ (الفجر) وغیرہ تو ایسی صورت میں کبھی وہ سب معانی مراد ہو سکتے ہیں جو سلف صالحین نے بیان کیے ہیں اور کبھی ایسا نہیں ہوتا۔ سب معانی کا مراد لینا اس لیے جائز ہوتا ہے کہ ممکن ہے آیت دو مرتبہ نازل ہوئی ہو: ایک مرتبہ اس مراد کے لیے اور دوسری مرتبہ اس مراد کے لیے اور یا اس لیے کہ لفظ مشترک ہے اور اس کے سب معانی مراد ہو سکتے ہیں، جیسا کہ اکثر فقہائے مالکیہ و شافعیہ و حنبلیہ اور بہت سے علمائے کلام نے جائز رکھا ہے اور یا پھر ایسا ہوتا ہے کہ لفظ کے معنی مقرر ہوتے ہیں اور وہ عام ہوتا ہے۔ جب تک اس کی تخصیص کا کوئی موجب موجود نہ ہو۔ اس صورت میں اگر سلف کے دونوں قول صحیح روایت سے پہنچیں تو اسے مذکورہ بالا دوسری قسم میں شمار کرنا چاہیے۔

ترادف و تضمن

تفسیر میں سلف کے ایسے اقوال بھی موجود ہیں کہ انہوں نے اپنا اپنا مطلب قریب المعنی الفاظ میں ادا کیا ہے۔ نہ کہ مترادف الفاظ میں یاد رہے کہ لغت میں مترادف لفظ بہت ہی کم ہیں اور قرآن میں یا تو معدوم ہیں یا نہایت نادر ہیں چنانچہ قرآن میں ایک ہی مطلب کے لیے ایسے دو لفظ مشکل سے ملیں گے جو بالکل ہم معنی ہوں۔ البتہ قریب المعنی لفظ ملیں گے اور یہ بھی ایک وجہ اعجاز قرآن کی ہے۔

اسے مثال سے سمجھو۔ فرمایا ”يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا۔“ (الطور) اب اگر تفسیر میں کہا جائے کہ مور کے معنی ہیں حرکت تو یہ لفظ کی تقریبی تفسیر ہوگی، کیونکہ مور کے معنی محض حرکت نہیں

ہیں، بلکہ سبک تیز حرکت کو مور کہتے ہیں۔ اسی طرح یہ کہنا کہ وحی کے معنی آگاہ کرنا ہیں یا یہ کہنا کہ اوحینا الیک کے معنی ہیں، ہم نے تجھ پر نازل کیا۔ ”یا قَٰضِیْنَآ اِلٰی بَنِیْ اِسْرَآئِیْلِ (بنی اسرائیل) کے معنی ہیں ”ہم نے بنی اسرائیل کو آگاہ کیا تو یہ بھی تقریبی تفسیر ہی ہوگی نہ بعینہ لفظی، کیونکہ وحی کے معنی محض آگاہ کرنا نہیں بلکہ ایسی آگاہی کو وحی کہتے ہیں جو مخفی طور پر بسرعت دی جائے۔ اسی طرح لفظ قضاء کے معنی بھی محض آگاہ کرنا نہیں بلکہ اس لفظ میں نازل کرنے اور وحی کرنے کے معنی بھی داخل ہیں۔

عربوں کا دستور ہے کہ فعل میں معنی فعل شامل کر دیتے ہیں، اور دونوں سے یکساں برتاؤ کرتے ہیں۔ یہی دیکھ کر بعضوں نے غلطی سے سمجھ لیا کہ حروف بھی آپس میں ایک دوسرے کے قائم مقام ہو جاتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے آیت لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعَبْتِكَ اِلٰی نِعَاجِهِ (ص ۲۳:۲) میں اور آیت ”مَنْ اَنْصَارِیْ اِلٰی اللّٰهِ“ (القصف) میں الی کو مح کا قائم مقام سمجھ لیا ہے، حالانکہ یہ ان کی غلطی ہے۔ اور تحقیق وہی ہے جو پھرے کے نحو یوں نے کہا ہے کہ فعل میں فعل کے معنی مضمّن کر دیئے جاتے ہیں۔ بنا بریں پہلی آیت میں لفظ سوال کے معنی میں یہ بھی شامل ہے کہ اس شخص کی بکریوں کو اپنی بکریوں میں ملا لینا اسی طرح آیت ”وَ اِنْ كَا ذُو الِیْفِیْتُوْنٰكَ عَنِ اللّٰهِ اَوْ حِیْنَآ اِلَیْكَ“ (بنی اسرائیل: ۷۳) میں یہ مفہوم بھی داخل ہے کہ تمہیں گمراہ کر دیتے اور روک دیتے۔ اسی طرح وَ نَصَرْنَا مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِآیَاتِنَا (الانبیاء: ۷۷) میں نجات دینے اور بچانے کے معنی بھی شامل ہیں۔ اسی طرح یسروا بہا عباد اللہ۔ (الدھر) میں سیراب ہونا بھی داخل ہے اس قسم کی مثالیں بکثرت ہیں۔

اسی طرح لا ریب کی تفسیر لا شک سے کرنا تقریبی تفسیر ہے کیوں کہ ریب اور شک بالکل ہم معنی لفظ نہیں ہیں۔ ریب کے مفہوم میں اضطراب و حرکت بھی داخل ہیں۔ چنانچہ حدیث (۱) میں آیا ہے۔ ”دَع مَآیْرِیْئِکَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْئِکَ“۔ جس طرح لفظ یقین میں سکون و طمانینت کا مفہوم داخل ہے۔ اسی طرح لفظ ریب میں اضطراب و حرکت کا مفہوم داخل ہے۔ پس یقین کی ضد ریب ہے۔ رہ گیا لفظ شک تو کہا گیا ہے کہ اس کے معنی ریب کو بھی مستلزم ہیں۔ مگر خود یہ لفظ ریب کے پورے معنی پر دلالت نہیں کرتا۔

اسی طرح ذلک الکتاب کی تفسیر میں کہنا کہ ”یہ قرآن“ تو یہ تفسیر بھی تقریبی ہوگی، کیونکہ

مشاریہ اگرچہ واحد ہے، مگر حاضر کی طرف اشارے کا معاملہ غائب اور دور کی طرف اشارے سے مختلف ہوتا ہے۔ پھر کتاب کے معنی ہیں وہ چیز جو لکھی ہوئی ہو، جمع کی ہوئی ہو، مگر قرآن کے معنی ہیں وہ چیز جو پڑھی جائے۔

غرض اس طرح کے فرق قرآن میں موجود ہیں، اور اس بارے میں سلف کی عبارتوں کا جمع کرنا بہت مفید ہے، کیونکہ ایک دو عبارتوں کے مقابلے میں ان کا مجموعہ مفہوم کو کہیں زیادہ واضح کر دیتا ہے۔

سلف میں تفسیری اختلاف ہے لیکن معمولی

لیکن اس تفصیل کا مطلب یہ نہیں کہ سلف میں سرے سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بیشک ان میں خفیف اختلاف پایا جاتا ہے، جیسا کہ ہم احکام میں دیکھتے ہیں، مگر ضروری احکام سب لوگوں کو معلوم ہیں، بلکہ تو اتر سے معلوم ہیں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں، جیسے نماز کی تعداد رکعات، اوقات رکوع، خود نمازوں کے اوقات، زکوٰۃ اور نصاب زکوٰۃ کے احکام، رمضان کے روزے، حج میں طواف، قوف، زری الجمار وغیرہ۔

اور صحابہ میں جو اختلاف نانا دادا بھائیوں اور ”مشرک“ (۱) وغیرہ کے بارے میں ہوا ہے، تو اس سے فرائض (میراث) کے اکثر و بیشتر مسائل میں کوئی شک و اضطراب پیدا نہیں ہوتا، بلکہ عام طور پر جن مسائل کی زیادہ ضرورت رہتی ہے، جیسے والدین، اولاد، بھائی، بہن، بیوی تو ان کے حصول کی نسبت خدا کی طرف سے تین مفصل آیتیں اتری ہوئی موجود ہیں۔ پہلی آیت میں اصول و فرعی رشتوں کا ذکر ہے۔ دوسری آیت میں شوہر، بیوی اور ماں کے بیٹے وغیرہ کا ذکر ہے، اور تیسری میں حاشیے والے رشتے مذکور ہوئے ہیں، جیسے چچا اور ماموں، دادا اور میت کے بھائیوں کا اجتماع شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ اسلام میں نبی ﷺ کی وفات کے بعد ہی ایسا واقعہ پیش آیا تھا۔

۱- یہ مسئلہ میراث کی ایک صورت ہے یعنی جب میت عورت ہو اور اس کے وارث ہوں خاوند ماں، اخیانی بھائی، لگے بھائی، اس صورت میں بعض صحابہ کے نزدیک لگے مال میں اخیانی اور لگے بھائی برابر کے شریک ہوں گے۔ اس بنا پر اس کا عنوان ”مشرک“ ہوا۔ اور اکثر کے ہاں یہ لگے اخیانی، بہن بھائیوں کو ملے گا۔ لگے محروم رہیں گے (مغنی ص ۱۹-۲۰ جلد ۷) حافظ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ ملاحظہ ہو

اور اختلاف کبھی اس وجہ سے بھی پیش آجاتا ہے کہ دلیل ظاہر نہیں پوشیدہ ہوتی ہے اور اس کی طرف ذہن منتقل نہیں ہو پاتا یا اس کا سبب عدم سماع ہوتا ہے۔ یعنی صحابی نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سنا نہیں ہوتا اور کبھی خود نص کے سمجھنے میں غلطی ہو جاتی ہے اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ صحابی کے خیال میں کوئی راجح معارض موجود ہوتا ہے، لیکن یہاں تفصیلات میں نہیں جانا ہے۔ چند اصولی امور کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔

فصل (۳)

متاخر مفسرین کے اختلاف کی نوعیت

پھر تفسیر میں اختلاف دو قسم کا ہے: نقل پر مبنی ہے یا نقل کے بغیر اس کا علم حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ اس لیے کہ علم کے دو ہی سرچشمے ہیں صحیح روایت یا یقینی استدلال۔ اب روایت و نقل، معصوم پیغمبر سے ہوگی یا غیر معصوم شخص سے جس سے بھی ہو وہ روایت یا تو ایسی ہوگی کہ اس کی صحت و ضعف معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ موجود ہوگا یا موجود نہ ہوگا۔ آخری قسم کی روایت کہ جس کی صحت و ضعف کچھ نہ معلوم ہو سکے بے فائدہ ہے اور اس پر گفتگو کرنا فعل عبث ہے لیکن جس علم کی مسلمانوں کو ضرورت ہے وہ اس قسم کا نہیں ہے بلکہ خدا کی طرف سے حق پر دلیل قائم ہو چکی ہے اور اس کی معرفت انسانی امکان میں آچکی ہے۔

بے نتیجہ تفصیلات

بے فائدہ اور بے دلیل علم کی مثال، اصحاب کہف کے حالات میں اختلاف ہے یا اس بارے میں اختلاف کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مارنے کے لیے گائے کے کس عضو کا استعمال کیا تھا یا یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کتنی لمبی چوڑی تھی؟ اس کی لکڑی کس درخت کی تھی؟ یا اس لڑکے کا کیا نام تھا جسے خضر علیہ السلام نے قتل کر ڈالا تھا؟ ظاہر ہے اس قسم کے معاملات کا علم نقل ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے، عقل کے ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ اب جس معاملے کے بارے میں نبی سے نقل صحیح موجود ہے تو وہ معلوم ہے، جیسے یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رفیق سفر کا نام خضر علیہ السلام تھا۔

اسرائیلیات

لیکن جس بارے میں کوئی صحیح نقل موجود نہیں، بلکہ اس کے علم کا ذریعہ اہل کتاب ہیں، جیسے

کعب احبار و ہب اور محمد بن اسحاق وغیرہ کی منقولات، جو اہل کتاب سے روایت کرتے ہیں، تو جب تک صحت پر قطعی دلیل موجود نہ ہو، اسی منقولات کی نہ تصدیق جائز ہے نہ تکذیب، کیونکہ صحیح بخاری (۱) کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ”جب اہل کتاب تم سے کچھ بیان کریں، تو ان کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب۔ ہو سکتا ہے کہ وہ حق بیان کر رہے ہوں اور تم نادانستہ تکذیب کر جاؤ یا باطل بیان کر رہے ہوں اور تم بے جا نے تصدیق کر بیٹھو۔“

یہی حال اس قسم کی منقولات کا ہے، جو بعض تابعین سے مروی ہیں۔ اگرچہ تابعی یہ تصریح بھی نہ کرے کہ اس کا ذریعہ معلومات اہل کتاب ہیں، اور جب تابعین ایسے امور میں باہم اختلاف کریں تو ایک تابعی کا قول دوسرے تابعی پر حجت نہیں ہوتا، لیکن اس بارے میں اگر کوئی بات صحیح روایت کے ساتھ کسی صحابی سے منقول ہو، تو تابعین کے مقابلے میں اس پر دل کو زیادہ اطمینان ہوگا، کیونکہ ممکن ہے صحابی نے وہ بات نبی ﷺ سے سنی ہو اور کیونکہ تابعی کا نقل کرنا، صحابی کے جرم و یقین کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا، اور یہ معلوم ہے کہ صحابی کی نسبت یہ نہیں کہا جائے گا کہ اہل کتاب سے نقل کر رہا ہے جب کہ اسے اہل کتاب کی تصدیق کرنے کی ممانعت ہو چکی ہے۔ غرض جس اختلاف کی حالت یہ ہو کہ اس میں قول کی صحت معلوم نہ ہو سکے، اور اس کی تفصیل بھی غیر مفید ہو تو اس کا اہتمام کرنا ویسا ہے، جیسا ایسی حدیث کے پیچھے پڑنا جس کی صحت پر کوئی دلیل نہ ہو۔

رہیں پہلی قسم کی وہ منقولات، جن کی صحت معلوم کی جاسکتی ہے، تو بجز اللہ ان کی کمی نہیں۔

یہاں یہ یاد رہے کہ تفسیر حدیث اور مغازی میں ہمارے نبی ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرف اگرچہ بہت کچھ منسوب ہے مگر نقل صحیح ہی اسے رد بھی کر رہی ہے۔

تفسیری منقولات اور ان کی حیثیت استناد

حقیقت یہ ہے کہ دین میں جن منقولات کی ضرورت ہے، خدا نے ان کی صحت کے اور بطلان کے دلائل قائم کر دیئے ہیں، اور معلوم ہے تفسیر میں بھی زیادہ تر منقولات ویسی ہی ہیں،

جیسی مغازی و ملائم میں ہیں اس لیے امام احمد^(۱) نے فرما دیا ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کی اسناد نہیں یعنی تفسیر ملائم اور مغازی کیونکہ ان میں اکثریت مرسل روایتوں کی ہے جیسے عروہ بن الزبیر،^(۲) شععی،^(۳) زہری،^(۴) موسیٰ بن عقبہ،^(۵) ابن اسحاق^(۶) اور ان کے بعد جیسے یحییٰ بن سعید^(۷) اموی، ولید^(۸) مسلم،^(۹) واقدی^(۱۰) وغیرہ اصحاب مغازی کی روایتیں۔

۱- حافظ ابن حجر لسان المیزان (ص ۱۳ ج ۱) میں امام احمد کا یہ قول نقل کر کے لکھتے ہیں ”چوتھی چیز فضائل و مناقب ہیں اس کا بھی اضافہ ہونا چاہیے۔ ضعیف و موضوع کے یہی چار میدان ہیں کیونکہ عام طور پر ان گپوں کا ماخذ واقدی، مقاتل، کلبی ہیں ملائم کی حدیثوں کا دار و مدار اکثر اسرائیلیات پر ہے اور مناقب و فضائل کا سرچشمہ شیعہ اور ان کے جاہل مخالفین ہیں۔“

۲- عروہ بن زبیر مشہور تابعی، حضرت عائشہ کے بھانجے وفات ۹۴ھ (تہذیب ص ۱۸۰-۱۸۵ ج ۷) سیرت و مغازی کے پہلے مدون (کشف الظنون)

۳- عامر بن شراحیل شععی کوفی، مغازی کے حافظ، جلیل القدر تابعی، م ۱۰۹ھ (تہذیب صفحہ ۶۵-۶۹ ج ۵)

۴- محمد بن مسلم بن شہاب زہری جلیل القدر تابعی، متفقہ طور پر ثقہ، وفات ۱۲۴ھ۔

۵- موسیٰ بن عقبہ الاسدی (وفات ۱۴۱ھ) امام زہری کے بہترین شاگرد ان کی تصنیف کردہ کتاب المغازی سب سے مستند مانی گئی ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس سے بہت استفادہ کیا ہے (تفصیلی حالات کے لیے تہذیب ص ۳۶۰-۳۶۲ ج ۱۰)

۶- محمد بن اسحاق مغازی کے مشہور امام حدیث میں ثقہ ہاں ”عن“ سے روایت کریں تو مدلس ہونے کی وجہ سے ان کی روایت قابل تحقیق، وفات ۱۵۰ھ (تہذیب ص ۳۸-۴۶ ج ۹) سیرت ابن ہشام انہی ابن اسحاق کی سیرت کی تلخیص ہے۔

۷- یحییٰ بن سعید الاموی ابویوب الحافظ صاحب مغازی وفات ۱۹۴ھ صدوق (تہذیب ص ۲۱۳ جلد ۱۱)

۸- ولید بن مسلم قرشی (وفات ۱۹۴ھ) شام کے مشہور محدث، قوی الحافظ، ۷۰ کے قریب تصنیفات، جن میں ایک کتاب المغازی ہے (فہرست ابن ندیم ص ۱۵۹ تہذیب ص ۱۵۱-۱۵۳ جلد ۱۱)

۹- جہاں تک میرا خیال ہے اصل نسخہ (عربی) میں یہ نسخہ کی غلطی ہے ولید بن مسلم چاہیے ”بن“ کی بجائے ”واد“ غلطی سے لکھا گیا ہے۔ کیونکہ تلاش کرنے پر بھی مجھے ”مغازی“ میں مسلم نام کا مصنف و مدون نہیں مل سکا۔ واللہ اعلم۔

۱۰- محمد بن عمرو واقدی وفات ۲۰۷ھ مغازی کے دلچسپ عالم محدثین کے ہاں بوجہ بے سرو پائیانی بدنام

(تہذیب ص ۳۶۳-۳۶۸ جلد ۹)

مغازی کا سب سے زیادہ علم اہل مدینہ کو ہے پھر اہل شام کو پھر اہل عراق کو اہل مدینہ کو اس لیے کہ انہی سے مغازی کا تعلق رہا ہے اہل شام کو اس لیے کہ وہ جنگ و جہاد میں سب سے زیادہ مشغول رہے ہیں لہذا اس باب میں جو علم ان کو ہے دوسروں کو نہیں اسی لیے ابواسحاق^(۱) فزاری کی کتاب المغازی کی بڑی قدر کی گئی اور دوسرے علمائے بلاد کے مقابلے میں اوزاعی^(۲) کو اس صنف علم کا سب سے بڑا عالم قرار دیا گیا ہے۔

علم تفسیر میں اہل مکہ سب سے بڑھے ہوئے ہیں کیونکہ وہ اصحاب عبداللہ بن عباسؓ ہیں جیسے مجاہدؒ عطاء بن^(۳) ابی رباحؒ اور عکرمہ^(۴) مولیٰ ابن عباسؓ طاووسؒ^(۵) ابولشعناؒ^(۶) سعید^(۷) بن جبیرؒ وغیرہ۔

اسی طرح کوفے میں عبداللہ بن مسعودؓ کے اصحاب کو تفسیر میں دوسروں پر فوقیت حاصل ہے۔ یہی حال مدینے میں زید بن اسلم جیسے بزرگوں کا ہے۔ امام مالکؒ نے انہی زید بن اسلم^(۸) سے تفسیر لی ہے نیز ان کے بیٹے عبدالرحمن^(۹) نے اور عبداللہ بن وہب^(۱۰) نے بھی۔

- ۱- ابراہیم بن محمد بن حارث ابواسحاق الفزاری الکوفی (وفات ۱۸۶ھ) مغازی و سیرت میں بے نظیر تصنیف فرمائی۔ سنت کے امام ثقہ شام میں بود و باش اختیار کرتی تھی۔ (تہذیب ص ۱۵۱-۱۵۳ جلد ۱)
- ۲- عبدالرحمن بن عمرو الازاعی۔ مشہور ثقہ امام ہیں۔ بعض کے خیال میں یہ نسلاً سندھی تھے شام میں رہ رہے تھے۔ وفات ۱۵۱-۱۵۸ کے درمیان (تہذیب ص ۲۳۲-۲۳۸ جلد ۶) آپ کے حالات میں ایک مستقل کتاب طبع ہوئی ہے۔ محاسن المسامی نام علامہ کلیب ارسلان کی تعلیقات کے ساتھ۔
- ۳- مشہور فقیہ تابعی وفات ۱۱۴ھ (تہذیب ص ۱۹۹-۲۰۲ جلد ۷)
- ۴- عکرمہ بن عبداللہ ثقہ تابعی وفات ۱۰۷ھ (تہذیب ص ۲۶۳-۲۷۳ جلد ۷)
- ۵- طاووس بن کیسان ابو عبدالرحمن فقیہ تابعی وفات ۱۰۶ھ۔
- ۶- ابولشعناؒ جابر بن زید ازدی مصری عبداللہ بن عباسؓ کے خاص شاگرد تفسیر قرآن کے ماہر وفات ۹۳-۱۰۴ھ کے درمیان (تہذیب ص ۳۸-۴۰ جلد ۲)
- ۷- سعید بن جبیر الکوفی ابو محمد بڑے بزرگ اور صاحب علم تابعی ثقہ حجاج کے ہاتھوں ۹۵ھ میں مظلوم شہید ہوئے (تہذیب ص ۱۱-۱۳ جلد ۴) آپ ہی نے سب سے پہلے تفسیر میں کتاب تصنیف فرمائی (تہذیب ص ۱۹۸-۱۹۹ جلد ۷)
- ۸- زید بن اسلم ابو اسلمۃ المدنی مولیٰ عمرؓ مشہور تابعی وفات ۱۳۶ھ (تہذیب صفحہ ۳۹۵ جلد ۳)
- ۹- عبدالرحمن بن زیدؒ بلحاظ روایت ضعیف (تہذیب ص ۱۷۷-۱۷۹ جلد ۶)۔
- ۱۰- امام ابو محمد عبداللہ بن وہب القرشی امام مالکؒ کے مشہور شاگرد وفات ۱۹۹ھ الدیباج الہدیب فی معرفتہ اعیان علماء الہدیب (ابن فرحون) ص ۱۳۲-۱۳۳

صحت روایت کا معیار

مرسل روایتیں اگر کئی طریقوں سے مروی ہوں اور انہیں گھڑنے کی سازش نہ کی گئی ہو تو قطعاً صحیح ہیں، کیونکہ جو بات نقل کی جا رہی ہے، یا تو اصل کے مطابق ہوگی، یعنی صحیح ہوگی، یا اصل کے خلاف ہوگی، یعنی جھوٹی ہوگی، جسے راوی نے گھڑ لیا ہو یا بیان کرنے میں اس سے نادانستہ غلطی ہو گئی ہو۔ جب یہ دونوں صورتیں نہ ہوں، جھوٹ بھی نہ بولا گیا ہو اور بھول چوک بھی نہ ہوئی ہو، تو روایت بلا شک صحیح ہوگی۔

لہذا جب حدیث دو یا زیادہ طریقوں سے مروی ہو، اور یہ بھی معلوم ہو کہ راویوں نے اسے مل کر گھڑا نہیں ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہو کہ اس قسم کے معاملے میں جھوٹ بولنے اور سازش کرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہو سکتی، تو مان لینا پڑے گا کہ روایت صحیح ہے۔

مثلاً ایک شخص واقعہ بیان کرتا ہے اور پیش آنے والے اقوال کا تذکرہ تفصیل سے کرتا ہے۔ پھر دوسرا شخص آتا ہے اور بعینہ انہی اقوال و افعال کو بیان کرتا ہے، تو ایسی صورت میں یقین کر لینا ہوگا کہ واقعہ مجموعی طور پر ضرور پیش آیا ہے۔ یہ اس لیے کہ اگر دونوں راوی جان بوجھ کر یا غلطی سے جھوٹ بولے ہوتے، تو عام تجربہ و مشاہدہ بتاتا ہے کہ دو شخص ایک ہی تفصیل بیان نہیں کر سکتے، جب تک پہلے سے جھوٹ بولنے پر اتفاق نہ کر چکے ہوں۔

یہ تو ممکن ہے کہ دو شاعر ایک ہی شعر کہہ جائیں، ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی جھوٹ دو الگ الگ آدمی بول جاتے ہیں مگر عادتاً یہ نہیں ہوتا کہ ایک شاعر مختلف مضامین پر حاوی لہجہ قصیدہ کہے اور دوسرا شاعر بھی انہی الفاظ و معانی کے ساتھ ویسا ہی طول طویل قصیدہ نظم کر دے، اور اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو ہر زبان کہہ اٹھے گی کہ اس دوسرے شاعر نے پہلے شاعر کا قصیدہ تھم لیا ہے۔

اسی مثال پر حدیث کو قیاس کرنا چاہیے، طویل حدیث جس میں متعدد مضامین ہوں۔ جب ایک راوی سے پہنچے، اور دوسرا راوی بھی بعینہ اسے روایت کرے، تو ایسی صورت میں اس کے سوا اور کیا سمجھا جاسکتا ہے کہ یا تو دونوں راویوں نے مل کر حدیث گھڑ لی ہے، یا ایک راوی نے دوسرے راوی سے سنی ہے، یا پھر خود حدیث ہی صحیح ہے۔

انہی طریقوں سے اکثر ان منقولات کی صحت کی تسلیم کی جاتی ہے، جو مختلف طریقوں سے پہنچتی ہیں، اگرچہ ان میں کی اکیلی روایت اپنے ارسال یا ضعف ناقل کے باعث کافی نہیں ہوتی،

لیکن منقولات کے الفاظ اور دوسرے دقائق کی تحقیق کی یہ راہ نہیں ہے۔ اس کے لیے دوسرے ذرائع سے کام لیا جاتا ہے (یہ قاعدہ قدر مشترک کی یقینی صحت کا ہے) مثلاً تو اتر سے ثابت ہے کہ غزوہ بدر پیش آیا تھا اور یہ کہ غزوہ بدر غزوہ احد سے پہلے تھا۔ یہ بھی یقین سے معلوم ہے کہ حضرت حمزہؓ حضرت علیؓ اور حضرت عبید اللہؓ لڑنے کے لیے عتبہ شیبہ اور ولید کے مقابلے میں نکلے تھے۔ حضرت علیؓ نے ولید کو قتل کر ڈالا تھا اور حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے ان کا حریف مارا گیا تھا مگر اس بارے میں شک ہے کہ حضرت حمزہؓ کا حریف کون تھا عتبہ تھا یا شیبہ تھا؟

ایک اصولی قاعدہ

مذکورہ بالا اصولی قاعدہ یاد رکھنا چاہیے کیونکہ حدیث، تفسیر، مغازی اور لوگوں کے افعال و اقوال سے متعلق منقولات کی صحت و عدم صحت کا فیصلہ کرنے میں اس سے مدد ملتی ہے۔ مثلاً نبیؐ سے ایک حدیث دو طریقوں سے روایت ہوتی ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہوتے ہیں کہ ایک راوی نے دوسرے راوی سے روایت نہیں لی ہے تو ایسی صورت میں اس روایت کے صحیح ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔ خصوصاً جب یہ بھی معلوم ہو کہ راوی ان لوگوں میں سے نہیں جو جان بوجھ کر کذب بیانی سے کام لیتے ہیں۔ البتہ انفراداً نادانستہ غلطی اور بھول چوک ضرور ممکن ہے (جس کی تلافی اجماعی روایت سے ہو جاتی ہے)

صحابہؓ تابعینؓ قابل اعتماد ہیں

جو کوئی صحابہؓ کے حالات سے واقف ہے، مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت ابی بن کعبؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت جابر بن عبداللہؓ حضرت ابوسعید خدریؓ حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہم کے حالات سے باخبر ہے، وہ یہ بھی یقین سے جانتا ہے کہ ان میں کوئی صحابی رسول اللہؐ پر کذب عمد کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ یعنی جان بوجھ کو جھوٹ نہیں بول سکتا۔ یہ ان صحابیوں کا حال ہے، لیکن جو صحابی ان سے بلند درجے کے ہیں، ان پر تو اور بھی شک نہیں ہو سکتا۔ یہ معاملہ اسما ہی ہے، جیسے تمہیں اپنی ذاتی واقفیت اور طویل تجربے سے کسی شخص کے بارے میں یقین ہو جاتا ہے کہ وہ نہ چوری کر سکتا ہے نہ قزاقی کے گناہ سے آلودہ ہو سکتا ہے، نہ جھوٹی گواہی دینا ہی اس سے ممکن ہے۔

یہی حال مدینے، یکے، شام، بصرے کے تابعین کا ہے۔ جس کسی کو مثلاً ابوصالح^(۱)، سمان^(۲)، اعرن^(۳)، سلیمان^(۴)، بن یسار، زید بن اسلم وغیرہ کے حالات سے واقفیت ہے، یقین سے جانتا ہے کہ یہ لوگ جان بوجھ کر جھوٹے سے آلودہ نہیں ہو سکتے۔ پھر ان سے بلند پایہ تابعین کا کیا کہنا، جیسے محمد سیرین^(۵)، قاسم^(۶)، بن محمد سعید^(۷)، بن المسیب^(۸)، عبیدہ^(۹)، سلمانی، علقمہ^(۱۰)، اسود^(۱۱) وغیرہ۔

اتفاق غلطی صحت کے منافی نہیں

یہ ضرور ہے کہ انفراداً غلطی کا احتمال ان سے بھی ہے۔ آدمی بھول چوک کا شکار ہوتا ہی رہتا ہے، لیکن ایسے حافظ حدیث بھی ہیں کہ وہ غلطی اور نسیان سے بہت دور سمجھے گئے ہیں (یعنی ان کی بھول بہت ہی قلیل ہے) انہی میں شععی، زہری، عروہ، قتادہ^(۱۰)، ثوری جیسے مشاہیر بھی ہیں۔ زہری

- ۱- ابوصالح ندکان، حضرت ابو ہریرہ کے مشہور ثقہ شاگرد وفات ۱۰۱ھ (تہذیب ص ۱۹ جلد ۳)
- ۲- عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج، یہ بھی حضرت ابو ہریرہ کے مشاہیر تلامذہ سے ہیں۔ وفات ۱۱۱ھ (تہذیب ص ۲۹۰ جلد ۶)
- ۳- سلیمان بن یسار الہلالی المدنی تابعی ۹۳ھ سے ۱۰۹ھ کے درمیان وفات۔
- ۴- محمد بن سرین انصاری اپنے وقت کے امام حدیث و ثقہ، جلیل القدر تابعی۔ وفات ۱۱۰ھ (تہذیب ص ۲۱۳ جلد ۹)
- ۵- قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیقؓ۔ جلیل القدر تابعی۔ وفات ۱۰۶ھ (تہذیب ص ۳۳۳ جلد ۷)
- ۶- حضرت سعید بن المسیبؓ القرشی جلیل القدر تابعی، جدید محدث و ثقہ وفات ۹۳ھ (ابن خلکان ص ۲۰۶ جلد ۱)
- ۷- عبیدہ بن عمرو سلمانی الکوفی حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے خاص شاگرد وفات ۷۰ھ (تہذیب ص ۸۴ جلد ۷)
- ۸- علقمہ بن قیس النخعی الکوفی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے خاص تلمیذ، وفات ۶۲-۷۳ھ کے درمیان۔ (تہذیب ص ۲۷۶ جلد ۷)
- ۹- اسود متعذر راوی ہیں۔ یہاں سے مراد شاید اسود بن ہلال الحاربی الکوفی ہوں۔ وفات ۸۴ھ (تہذیب ص ۳۳۲ جلد ۱)
- ۱۰- قتادہ بن وعامہ السدوسی البصری مشہور تابعی۔ وفات ۱۱۷ھ

اور ثوریؒ تو اپنے اپنے زمانے میں بہت بڑے حافظ حدیث مانے جاتے تھے اور لوگ تعجب سے کہا کرتے تھے کہ اس قدر کثرت سے حفظ حدیث و روایت پر بھی ابن شہاب زہری سے کبھی غلطی نہیں ہوتی۔

طویل احادیث میں قدر مشترک کی صحت کافی ہے

غرض جب کوئی طویل حدیث دو مختلف طریقوں سے مروی ہو اور راویوں کی اس میں سازش نہ ہو تو وہ روایت نہ غلط ہو سکتی ہے نہ جھوٹی، کیونکہ غلطی پورے لے قے میں نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعض حصوں ہی میں ہو سکتی ہے۔ تو اب اگر دو راوی بعینہ ایک ہی طولانی قصہ بیان کرتے ہیں اور دونوں کا بیان یکساں ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ بیان و روایت نہ غلطی ہے نہ جھوٹ ہے خصوصاً جب یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ان راویوں نے جھوٹ بولنے پر اتفاق نہیں کیا ہے۔

اس کی مثال وہ حدیث ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے اونٹ خریدا تھا۔ اس حدیث کے مختلف طریق پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ حدیث یقیناً صحیح ہے، گو اس کے حصے میں راویوں کا اختلاف ہو گیا ہے کہ حضرت جابرؓ گو قیمت کتنی دی گئی تھی جیسا کہ بخاریؒ نے اپنی صحیح میں اسے واضح کیا ہے۔

صحیحین کی صحت پر اجماع ہے

بخاری و مسلم میں جو حدیثیں موجود ہیں ان کے بارے میں یقیناً (۱) ہے کہ نبی ﷺ ہی

۱- صحیحین کی حدیثوں کے متعلق مصنف علامہ منہاج السنہ (ص ۱۱۳ جلد ۳) میں فرماتے ہیں:

واهل الحديث يعلمون صدق متون الصحيحين -- من شر كههم فيها علم ما علموه ومن لم

يشركهم لم يعلم ذلك - ۱ ھ

”اہل حدیث کو یقین ہے کہ صحیحین کے متون صحیح ہیں۔ نا آشنايان فن البتہ اس یقین سے محروم ہیں۔“

دوسرے مقام پر اس دعویٰ کو مدلل فرمایا ہے:

احادیث البخاری و مسلم رواها غیرہما من العلماء والمحدثین من لا یحصى عددهم الا اللہ و

لم ینفرد واحد منهما بحديث بل مامن حدیث الا وقد رواه قبل زمانه وفي زمانه وبعد زمانه

طوائف - الی قولہ - والمقصود ان احادیثہما نقدها الائمة الجہابذۃ قبلہم وبعلمہم ورواہا

خلاق لا یحصى عددهم الا اللہ فلم ینفرد الا بروایۃ ولا بتصحیح، ۱ ھ (بقیہ حاشیائے گلے صفحہ پر)

کے فرمودات ہیں اور ان کی بڑی اکثریت اسی قبیل سے ہے جس کا ہم تذکرہ کر رہے ہیں۔ اہل علم نے قبول و تصدیق کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا ہے۔

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) واللہ سبحانہ و تعالیٰ هو الحفیظ بحفظ هذا الدین كما قال تعالیٰ ان نحن نزلنا الذکر و انالہ لحافظون (الحجر) (منہاج النہص ۵۹ جلد ۳)

”صحیح بخاری و صحیح مسلم کی احادیث صرف ان دونوں نے ہی روایت نہیں کی ہیں بلکہ بے شمار علماء و محدثین ان کے راوی اور ناقل ہیں ان سے قبل کے لوگ بھی ان کے اہل زمانہ بھی اور ان کے بعد میں آنے والے بھی۔“
 ”نہ صرف روایت ہی کیا ہے بلکہ ان کو خوب خوب جانچا اچھی طرح پرکھا بھی پھر یہ ناقدین بھی بڑے بڑے نقادان فن تھے۔ حاصل یوں سمجھئے کہ صحیحین کی روایات کے نہ بیان کرنے میں یہ دونوں امام مفرد ہیں اور نہ ہی صحیح قرار دینے میں مفرد۔ اور ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ مشکوک (ضعیف) حدیثیں رواج پاتیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں قیامت تک کے لیے شریعت کو محفوظ رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے۔“

حضرت شیخ الاسلامؒ سے قبل ساتویں صدی ہجری کے جلیل القدر عالم علامہ ابو عمرو عثمان بن الصلاح (التونی ۶۲۳ھ) نے صحیحین کی احادیث کے متعلق یہی ارشاد فرمایا ہے، صحیحین کا ذکر کر کے لکھتے ہیں: و هذا القسم جمیعہ مقطوع بصحة (مقدمہ ۱۳) صحیحین کی حدیثیں قطعاً آنحضرت ﷺ کا فرمان ہیں) حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: محققین کا مسلک یہی ہے جو ابن الصلاح کا ہے۔“ (سندی حاشیہ شرح نجیب ص ۲۱) حافظ ابن کثیرؒ نے بھی اسی کو پسند فرمایا ہے۔ (الباعث الحثیث ص ۸) امام شوکانیؒ اپنی کتاب قطر الولی میں فرماتے ہیں۔

اجمع اهل هذا الشأن ان احاديث الصحيحين او احدهما كلها من المعلوم صدقه المتلقى بالقبول المجمع على ثبوته وعند هذه الاجماعات تندفع كل شبهة ويزول كل شكك اھ۔

”فن حدیث والوں کا اس امر پر اجماع ہے کہ صحیح بخاری، صحیح مسلم کی متفقہ حدیثیں یا ان میں سے ایک کی حدیث یقیناً صحیح اور مفید علم ہیں۔ ایسے اتفاق کی موجودگی میں ہر قسم کا شک و شبہ دور ہو جاتا ہے۔“

(حاشیہ مواد العوائد ص ۲۳۹) از حضرت نواب سید محمد صدیق حسن خاں رحمہ اللہ) اور ارشاد الخول الی تحقیق الحق فی علم الاصول (ص ۳۷) میں فرماتے ہیں:

لانزاع فی ان خبر الواحد اذا وقع الاجماع على العمل بمقتضاة فانه يفيد العلم لان الاجماع عليه قد صيره من المعلوم صدقه ومن هذا القسم احاديث صحيحى البخارى ومسلم فان الامة تلتقت مافيهما بالقبول ومن لم يعمل بالبعض من ذلك فقد اوله والتاويل فرع القبول۔ اھ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

غلطی پر اجماع ممکن نہیں

اور معلوم ہے امت کا اجتماع، غلطی پر نہیں ہو سکتا، حدیث اگر جھوٹی ہے اور امت اسے قبول و تصدیق کی سند بخش رہی ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ امت نے ایک ایسی بات پر اجماع کر لیا

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) ”اس میں کوئی نزاع ہی نہیں کہ خبر واحد پر عمل کرنے میں جب اجماع ہو جائے تو وہ یقینی قرار پاتی ہے، کیونکہ اجماعی حکم قطعی ہوتا ہے۔ صحیحین کی حدیثوں کا یہی مرتبہ ہے۔ اس لیے کہ علمائے امت نے ان کو قبولیت کا شرف بخشا ہے۔ اگر کسی نے ان کی حدیث پر عمل نہیں بھی کیا تو اس کی صحت میں شک کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی تاویل کی وجہ سے“

اس قسم کی تصریحات یمن کے ایک اہل حدیث محقق و نقاد علامہ محمد بن ابراہیم وزیر (المتوفی ۸۴۰) نے الروض الباسم فی الذب عن سنیہ ابی القاسم (ص ۷۸ جلد ۱) میں فرمائی ہیں اور یہی تحقیق حضرت نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ یحییٰ بن ابی بکر عینی سے نقل کی ہے جو انہوں نے اپنی کتاب الریاض المستطابۃ فی جملة ممن روی فی الصحیحین من الصحابہ میں تحریر فرمائی ہے۔ (دیکھئے منہج الوصول ص ۳۱-۳۳)

اس مسلک کی قوت دلیل نے بعض متکلمین اور مذاہب اربعہ کے محققین کو بھی اس امر پر مجبور کر دیا ہے کہ وہ صحیحین کی احادیث کے قطعی یقینی ہونے کا اعتراف کریں، جیسا کہ مصنف علامہ اپنے اگلے کلام میں ذکر فرما رہے ہیں رہے اہل حدیث تو وہ سب کے سب اس پر متفق ہیں! و جمیع اہل الحدیث علی ما ذکرہ الشیخ ابو عمرو (الصواعق المرسلہ ص ۷۴ جلد ۲)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حجۃ اللہ الباقیہ میں کتب حدیث کو چند طبقات (درجے) پر تقسیم کرتے ہوئے صحیحین و موطا کو اعلیٰ درجے میں داخل کیا ہے اور ان کی احادیث کے ایک حصے کو متواتر و مشہور اور دوسرے حصے کو قطعی صحیح فرمایا ہے: وما کان اعلیٰ حد فی الطبقة الاولى فانه یصل الی حد التواتر وما دون ذلک یصل الی الاستفاضة ثم الی الصححة القطیعة (حجۃ اللہ ص ۱۳۳ جلد ۱) اور صحیحین کے متعلق فرماتے ہیں:

واما الصحیحان فقد اتفق المحدثون علی ان جمیع ما فیہما من المتصل المعروف صحیح بالقطع وانہما متواتران الی مصنفیہما وان کل من ینہون امرہما فهو مبتدع متبع غیر سبیل المومنین ۱ ھ (ص ۱۳۳ جلد ۱) یعنی صحیحین کی متصل و مرفوع حدیثوں پر محدثین کا اتفاق ہے کہ قطعی صحیح ہیں ان کے مصنفین تک ان کی سندیں متواتر ہیں جو کوئی ان کی اہمیت کم کرتا ہے وہ بدعتی اور مسلمانوں کے سوا دوسرے رستے پر گامزن ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہے، جو فی نفسہ کذب و دروغ ہے۔ یہ اجماع، غلطی پر ہوگا، حالانکہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ امت، غلطی پر اتفاق کر لے۔ اگر ہم اجماع کا علم ہونے سے پہلے کسی حدیث کے متعلق جائز سمجھتے ہیں کہ غلط ہوگی یا کذب محض ہوگی، تو ہمارا یہ سمجھنا ایسا ہی ہے کہ اجماع کا علم ہونے سے پہلے ہی کسی ایسے حکم کے بارے میں، جو ظاہر آیا قیاس فنی سے ثابت ہے، جائز سمجھتے ہیں کہ حقیقت میں وہ حکم ویسا نہ ہو، جیسا ہم سمجھ رہے ہیں، لیکن جب اس حکم پر اجماع کا علم ہو جاتا ہے، تو ہم یقین کر لیتے ہیں کہ وہ حکم ظاہر ہی میں نہیں، حقیقت میں بھی ثابت ہے۔

اجماع اہل فن سے حدیث قطعی صحیح ہو جاتی ہے

اسی لیے تمام اسلامی فرقوں کے جمہور اہل علم کا اس بارے میں اتفاق ہو چکا ہے کہ خبر واحد پر بھی اگر امت، قبول و تصدیق کے ساتھ عمل کرنے لگے تو اس حدیث کا حکم فرض قرار دیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد کے جن تبعین نے اصول فقہ میں کتابیں تصنیف کی ہیں، انہوں نے اس بابت کا بھی صاف ذکر کر دیا ہے۔

ہاں متاخرین میں تھوڑے آدمیوں نے اس مسلک سے اختلاف کیا ہے، اور متکلمین (۱) کے مسلک پر چل پڑے ہیں، لیکن اکثر متکلمین اس بارے میں فقہاء سے اور اصحاب

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) محققین علماء کے ان ارشادات سے ان لیڈر قسم کے اہل علم اور ان کے معتقدین کی اس تحقیق کی حقیقت کھل جاتی ہے جس کے بل بوتے پر مزاج شاس رسول کا منصب اختیار فرماتے ہوئے وہ صحیح بخاری تک کی حدیثوں کو مشکوک (ضعیف) بنا کر رکھ دیتے ہیں، (اور اسی بنا پر عبد اللہ بن ابی کے جنازے والی صحیح بخاری کی روایت کو ایک ضعیف روایت کی وجہ سے اپنے ماہنامہ ترجمان القرآن میں مسترد کر دیا گیا ہے) اور اس طرح صحیحین کی اہمیت کم کرنے کا ارٹکاب کرتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ اس کارروائی کا نام ”مسلک اعتدال“ رکھ دیا ہے، جب کہ حسب فرمان شاہ ولی اللہ رحمۃ علیہ اسے ”مسلک ابتداع و اعترال“ کہنا زیادہ مناسب ہے۔

۱- یہاں متکلمین سے علماء کی وہ جماعت مراد ہے جو عقائد کے مسائل میں امام ابو الحسن علی بن اسماعیل الاشعری (وفات ۳۲۳ھ) اور علامہ ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی (وفات ۳۳۳ھ) کے مکاتیب فکر سے متعلق ہے۔ اکثر شوافع اور مالکی اول الذکر سے منسلک ہیں، اور ثانی الذکر سے خفیہ کرام۔ چند مسائل میں دونوں کا اختلاف ہے اور اکثر میں متفق ہیں۔ اہل حدیث ان دونوں سے بہت سے امور میں الگ ہیں۔ ان کے عقائد ہی مسلک کی وضاحت مصنف علامہ اور ان کے شاگرد حافظ ابن قیم نے فرمائی ہے لیکن یہ تینوں گروہ اہل السنۃ والجماعہ ہی ہیں۔

حدیث و سلف سے متفق ہیں۔ اکثر اشاعرہ بھی اسی کے قائل ہیں، جیسے ابواسحاق^(۱) اور ابن فورک^(۲) البتہ ابن^(۳) الباقلانی کو اس سے انکار ہے۔ ابوالمعانی^(۴) ابو حامد^(۵) ابن عقیل^(۶) ابن جوزی^(۷) ابن خطیب^(۸) اور آمدی^(۹) وغیرہ نے ان الباقلانی کی پیروی کی ہے۔ پہلے مسلک کا بیان ائمہ شافعیہ میں سے شیخ ابو حامد^(۱۰) ابوالطیب^(۱۱) ابواسحاق وغیرہ نے

- ۱- فقہائے شافعیہ میں ابواسحاق متعدد ہیں ان میں سے ابراہیم بن محمد اسرانی اور ابراہیم بن علی شیرازی بھی ہیں اور یہ دونوں مسئلہ زیر بحث میں مصنف کے ہم مسلک ہیں اول الذکر کا مسلک صراحۃً صواعق مرسلہ (ص ۳۷۳ جلد ۲) میں مذکور ہے۔ اور ثانی الذکر نے اصول فقہ کی اپنی کتاب المجمع (ص ۴۷) میں اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ علامہ ابواسحاق اسرانی کی وفات ۴۱۸ھ میں ہوئی اور علامہ ابواسحاق شیرازی کا سن وفات ۴۷۶ھ ہے۔ رحمہما اللہ تعالیٰ (دونوں کے حالات ابن خلکان ص ۴ جلد ۱ میں دیکھئے۔
- ۲- محمد بن حسن بن فورک ابو بکر شافعی اشعری مدرسہ فکر کے مشہور عالم قریباً سو کتابوں کے مصنف ان کی ایک کتاب ”مشکل الحدیث“ حیدرآباد دکن میں طبع ہوئی ہے جو کلامی طرز پر ہے۔ وفات ۴۰۶ھ (طبقات الشافعیہ للسیکی ص ۵۲-۵۶ جلد ۲)
- ۳- قاضی ابو بکر محمد بن الطیب باقلانی اشعری علم کلام کے امام بہترین مناظر اپنے دور کے طہرین کے رد میں اچھی کتابوں کے مصنف اعجاز القرآن ان کی مشہور کتاب علمی حلقوں میں پسندیدہ ہے۔ حال ہی میں ان کی ایک اور کتاب التمهید فی الرد علی الملاحدة و القوامطة و الرفضہ مصر میں طبع ہوئی ہے۔ وفات ۴۰۳ھ (ابن خلکان ص ۲۸۱ جلد ۱)
- ۴- علامہ عبدالملک بن عبداللہ جوینی امام الحرمین کے لقب سے شہرت ہے اکابر اشاعرہ کے استاد۔ وفات ۴۷۸ھ (ابن خلکان ص ۲۷۷ جلد ۱ السیکی ص ۲۳۹، ۲۸۲ جلد ۳)
- ۵- علامہ ابو حامد محمد بن محمد غزالی وفات ۵۰۵ھ
- ۶- ابوالوفا علی بن عقیل البغدادی مشہور حنبلی فقیہ ابو یعلیٰ کے شاگرد وفات ۵۱۳ھ
- ۷- علامہ ابوالفرج جمال الدین عبدالرحمن بن علی البغدادی الشہیر باین الجوزی نامور حافظ حدیث متکلم فقیہ مورخ واعظ کثیر التصانیف وفات ۵۹۷ھ (ابن خلکان ص ۲۷۹ جلد ۱)
- ۸- ابن الخطیب الطامہ فخر الدین محمد بن عمر الرازی تفسیر کبیر کے مصنف شافعی المسلک اشعری العقیدہ وفات ۶۰۶ھ
- ۹- ابوالحسن علی بن محمد السیف آمدی عقائد میں اشعری فروع میں شافعی جدلیات میں ماہر اصول فقہ اور علم کلام کے سرکردہ عالم وفات ۶۳۱ھ (ابن خلکان ص ۳۳۳ جلد ۱)
- ۱۰- احمد بن محمد اسرانی شافعی المسلک سیکلز و شاگرد حلقہ درس سے مستفاد ہوتے۔ وفات ۴۰۶ھ (ابن خلکان ص ۱۹ ج ۱)
- ۱۱- علامہ ابوالطیب طاہر بن عبداللہ الطبری الشافعی فقہ و اصول فقہ کے مستند فاضل شیخ ابواسحاق شیرازی کے استاد وفات ۴۵۰ھ (ابن خلکان ص ۲۳۳ جلد ۱)

کیا ہے، مالکیوں میں سے قاضی عبدالوہاب (۴) وغیرہ نے حنفیوں میں شمس الدین (۲) سرحسی وغیرہ (۳) نے، اور حنبلیوں میں سے ابوالخطاب (۴) اور ابوالحسن (۵) بن الزاغونی وغیرہ نے کیا ہے۔

محدثین کے اجماع کی حیثیت

مگر خیال رہے، تصدیق حدیث کے جس اجماع سے حدیث، یقینی ہو جاتی ہے، وہ علمائے حدیث کا اجماع ہے۔ (یعنی جب ان کا اجماع ہو جائے تو دوسرے کسی شخص کی تنقید کا اعتبار نہیں ہوگا) جس طرح احکام کے اجماع میں امر ونہی و اباحت کے علماء کا اجماع معتبر ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جب کسی حدیث کی اتنی سندیں آجائیں کہ اس کے راویوں کو ایک دوسرے کے روایت کرنے کا پتہ نہ ہو، اور سب کا ارادۂ اتفاق بھی مشکل نظر آتا ہو، تو ایسی متعدد طرق سے مروی حدیث، علم یقین بخشا کرتی ہے، لیکن اس قاعدے سے انہی لوگوں کو فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ جنہیں راویوں کے حالات کا علم بھی حاصل ہے۔ عام لوگ اس قاعدے سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

شواہد کی حیثیت

ایسے ہی موقعوں پر مجہول اور ضعیف الحفظ راویوں کی روایت سے اور مرسل احادیث سے بھی فائدہ اٹھایا جاتا ہے، چنانچہ اہل علم اس قسم کی حدیثیں لکھ لیتے اور کہتے ہیں کہ یہ حدیثیں، شواہد کا کام دے سکتی ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں میں کبھی کمزور راوی کی حدیث اس خیال سے لکھ لیتا

۱- قاضی ابو محمد عبدالوہاب بن علی البغدادی، مالکی کتب فکر کے فاضل مصنف، عراق کے بعض شہروں میں ساہا سال تک عہدہ قضا پر فائز رہے، آخری عمر میں مصر چلے گئے اور وہیں وفات ہوئی ۴۲۲ھ (ابن خلکان ص ۳۰۲ جلد ۱)

۲- شمس اللامۃ محمد بن احمد البسرجی حنفی فقیہ، اصول کے مستند امام عمدہ اور مفید کتابوں کے مصنف، مشہور کتاب ميسوط الخیامی کی ہے، وفات ۴۳۸ھ (الفوائد السیعیہ فی تراجم الحنفیہ ص ۶۴)

۳- صواعق (ص ۲۷۳ جلد ۲) میں بحوالہ مصنف علامہ ابوبکر صامی وغیرہ کو انہی میں شمار کیا ہے۔

۴- ابوالخطاب محفوظ بن احمد البغدادی، حنبلیہ کے جلیل القدر مصنف، قاضی ابولعلی کے شاگرد وفات ۵۱۰ھ۔

۵- ابوالحسن علی بن عبداللہ الزاغونی، حنبلیہ کے شیخ، متعدد علوم میں مہارت رکھنے، وفات ۵۲۷ھ (شذرات)

ہوں کہ اس سے دوسری حدیثوں کو جانچ پڑتال میں کام لوں گا۔ قاضی مصر، عبداللہ (۱) بن لہیعہ اسی قسم کے ایک راوی تھے، بے شمار حدیثوں کا سرمایہ رکھتے تھے اور خود بہترین آدمیوں میں شمار ہوتے تھے، لیکن جب کتابیں جل گئیں تو روایت میں ٹھوکریں کھانے لگے، پھر ان کی حدیثوں سے شواہد کا کام لیا جانے لگا، حالانکہ امام لیث بن سعد (۲) کے ہم رتبہ حافظ مانے جاتے ہیں اور معلوم ہے لیث حدیث میں حجت و امام ہیں۔

علم علل الحدیث کا مرتبہ

اور اہل علم بالحدیث جس طرح ضعیف الحفظ راویوں کی حدیثوں سے شواہد کا کام لیتے ہیں، اسی طرح محتاط اور ثقہ راویوں کی حدیث کے بعض ٹکڑوں کو بھی ضعیف کہہ دیتے ہیں، جب ان کو دلائل سے معلوم ہو کہ یہ حصہ وہم یا غلط ہے۔ اس علم کا نام، جس سے حدیث کے یہ سب پہلو معلوم کیے جاتے ہیں۔ ”علم علل الحدیث“ ہے، اور حدیث کے علوم میں اس علم کا پایہ بہت بلند ہے۔ یہ بات اس تشریح سے سمجھ میں آ جائے گی کہ ایک محتاط و ثقہ راوی ایک حدیث روایت کرتا ہے، مگر روایت میں کچھ غلطی بھی کر جاتا ہے۔ ”علم علل الحدیث“ نہ ہوتا تو اس حدیث کو قبول کر لیا جاتا، کیونکہ راوی محتاط و ثقہ آدمی ہے، لیکن نہیں، یہ علم فوراً اس ثقہ راوی کی غلطی بتا دیتا ہے۔

ثقہ راوی کی غلطی کے اسباب

ثقہ راوی سے غلطی کبھی ظاہری سبب سے ہوتی ہے اور کبھی غیر ظاہری سبب سے۔ مثلاً ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت میمونہؓ سے نکاح، حالت احرام میں کیا تھا، اور خانہ کعبہ میں دو رکعت نماز پڑھی تھی۔ اس کے بعد ابن عباسؓ کی وہ روایت سامنے آ جاتی ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ میمونہؓ سے نکاح، حالت احرام میں نہیں ہوا تھا، بلکہ احرام سے حلال ہو چکنے کی

۱- عبداللہ بن لہیعہ کے حالات کے لیے دیکھئے تہذیب و تفریب ۱۲۔

۲- امام ابوالخارث لیث بن سعد بن عبدالرحمن المصری، ثقہ و حدیث کے امام آپ کے حالات میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے مستقل رسالہ لکھا ہے۔ جس کا نام ”الرحمة المغیبة“ ہے، مصر میں طبع ہو چکا ہے۔ وفات

حالت میں ہوا تھا^(۱) اور رسول اللہ ﷺ نے کعبے میں دو رکعت نماز نہیں پڑھی تھی۔ علل حدیث کا عالم فوراً جان جائے گا کہ اس روایت میں راوی سے غلطی ہو گئی ہے۔

اسی طرح معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے کیے تھے، مگر عبد اللہ بن عمر کی روایت میں آتا ہے کہ آپ نے رجب میں عمرہ کیا تھا۔ علل حدیث کا عالم سمجھ جائے گا کہ یہ راوی کی غلطی ہے۔

اسی طرح معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر حالت امن میں تمتع^(۲) کیا تھا، مگر ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ سے کہا تھا کہ اس موقع پر ہم حالت خوف میں تھے۔ علم علل الحدیث کا عالم جانتا ہے کہ اس روایت میں بھی راوی کو ٹھوکر لگی ہے۔

اسی طرح بخاری کے بعض طرق روایت میں ہے کہ جہنم نہیں بھرے گا، یہاں تک کہ خدا ایک نئی مخلوق^(۳) جہنم کے لیے بنا دے گا، علم علل حدیث صاف بتا رہا ہے کہ اس روایت میں بھی

۱- شاید یہ بحث نفس نکاح میونہ کے بارہ میں ہو کہ وہ بحالت احرام ہو یا احرام سے حلال ہونے کے بعد جیسا کہ امام بخاری بھی روایت اپنی صحیح میں لائے ہیں رہا یہ مسئلہ کہ بحالت احرام نکاح کا حکم کیا ہے؟ سو اس کی تصریح اپنے رسالہ منکح میں مصنف علام نے کی ہے کہ وہ ناجائز ہے آپ کے شاگرد حافظ ابن القیم نے بھی زاد المعاد ص ۶ ج ۴ میں اس مسلک کو ترجیح دی اور حدیث زیر بحث وغیرہ دلائل پر مدلل لکھا ہے۔
نیز دیکھئے فتح الباری ص ۵۸ ج ۵ واللہ اعلم (ع-ح)

۲- تمتع حج کا ایک طریقہ ہے جس میں حج اور عمرے کا احرام الگ ہوتا ہے۔ یہ اصطلاحی معنی ہے لغوی طور سے ”قران“ (ایک ہی احرام سے عمرہ اور حج کے ادا کرنے کی نیت کرنا) یہ بھی اس کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اس جگہ غالباً مراد بھی یہی ہے کہ یہ تمتع حج ہے کہ آنحضرت ﷺ کا حج ”قران“ تھا چنانچہ مصنف علام نے اپنے رسالہ منکح میں اس کی تصریح کی ہے نیز لکھا ہے کہ جن راویوں نے آپؐ کا ”حج تمتع“ نقل کیا ہے ان کا مطلب بھی ”قران“ ہے (مراد ہم بالتمتع القرآن کما ثبت ذلک فی الصحاح ۱۱ (رسالہ منکح) (ع-ح)

۳- جس حدیث کا یہ ٹکڑا مصنف علام قدس اللہ روحہ نے ذکر فرمایا ہے وہ کتاب التوحید کے باب ما جاء فی قول اللہ ان رحمۃ اللہ قریب من الخسین میں ہے۔ اس باب کی عرض اللہ تعالیٰ کے (بقیہ حاشیائے گلے صفحہ پر)

راوی بہک گیا ہے۔

افراط و تفریط

اس قسم کی مثالیں بہت ہیں، لیکن لوگ اس بارے میں دو آخری حدوں تک پہنچ گئے ہیں، ایک طرف متکلمین وغیرہ ہیں، جو علم حدیث و اصحاب حدیث سے دور ہیں۔ صحیح و ضعیف روایتوں میں تمیز نہیں کر سکتے، اور ان احادیث کی صحت و قطعیت میں بھی شک کرنے لگ جاتے ہیں، جو

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) لیے رحمت کی صفت ثابت کرتا ہے۔ اس کے لیے امام بخاری متعدد حدیثیں لائے ہیں۔ جن میں ایک یہ بھی ہے اس میں یہ لفظ ہے: قال للجنة انت رحمتی وقال للنار انت عذابی (حق تعالیٰ نے جنت کے لیے ارشاد فرمایا (تو میری رحمت ہے اور آگ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تو میرا عذاب ہے) حدیث کے اتنے حصے سے حضرت امام کی غرض پوری ہو جاتی ہے، غرض کے پورے ہونے کے بعد کوئی ٹکڑا اگر ایسا بھی حدیث میں آجائے جو معلول ہو، تو اس طرح ہو جانے میں کوئی حرج نہیں اور نہ اس سے امام بخاری کی قطعیت صحت پر اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ یہ حدیث امام بخاری دوسرے مقام پر یعنی سورہ ق کی تفسیر میں لائے ہیں اس میں یہ لفظ نہیں ہے، وہاں محمد بن سیرین عن ابی ہریرہ اور ہمام عن ابی ہریرہ ہے، اور یہاں الاعرج عن ابی ہریرہ ہے۔ بلکہ ہمام کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ الاعرج کی روایت میں قلب ہو گیا ہے، کیونکہ ہمام کے لفظ یہ ہیں:

فاما النار فلا تمتلی حتی یضع رجله فصول قط قط فهنا لک تمتلی ویزوی بعضها الی بعض ولا یظلم اللہ من خلقه احد او اما الجنة فان اللہ ینشی لها خلقاً (دوزخ میں اللہ تعالیٰ (آخر میں) اپنا قدم رکھے گا، تو اس کے اثر سے وہ اپنے آپ کو بھرا ہوا محسوس کرے گی اور بس بس کر دے گی، لیکن جنت کے لیے اللہ تعالیٰ اور مخلوق پیدا فرمائے گا) اور الاعرج کے لفظ یہ ہیں: واما الجنة فان اللہ لا یظلم من خلقه احد او انه ینشی للنار من یشاء فیلقون فیها الحدیث (لیکن جنت تو اللہ کسی پر ظلم نہیں کریگا اور آگ کے لیے اور مخلوق پیدا کرے گا تو وہ اس میں ڈالے جائیں گے) دیکھئے دونوں روایتوں کے مقابلے سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ الاعرج کی روایت میں کسی راوی کے وہم کی وجہ سے ”قلب“ ہو گیا ہے۔ فتح الباری (ص ۵۰-۶۱) میں ہے: قال جماعة من الائمة ان هذا الموضع مقلوب وجزم ابن القيم فی حادی الارواح (ص ۲۸۳) بانہ غلط، لیکن صحیح بخاری کی مردیات کی قطعیت صحت کے لیے امر اس لیے منافی نہیں ہے کہ امام بخاری نے اپنے خاص انداز سے خود ہی معاملہ صاف کر دیا ہے، مصنف علام منہاج السنہ (ص ۵۹ جلد ۴) میں لکھتے ہیں: (بقیہ اگلے صفحہ پر)

علمائے حدیث کے یہاں یقینی ہو چکی ہیں۔ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو اتباع و عمل حدیث کا دعویٰ کرتے ہیں اور ثقہ راویوں کے ہر ہر لفظ کو یا بظاہر صحیح الاسناد حدیث کو ویسا ہی قطعی اور یقینی سمجھ بیٹھتے ہیں، جیسا ان حدیثوں کا حال ہے جن کی صحت و قطعیت، علمائے حدیث کے نزدیک مسلم ہو چکی ہے۔ پھر ایسا ہوتا ہے کہ ان کے سامنے جب کوئی معارض صحیح حدیث آ جاتی ہے، تو بے معنی تاویلوں پر اتر آتے ہیں، اور اپنی من مانی حدیث کو مسائل علم میں حجت و دلیل قرار دے لیتے ہیں، حالانکہ علمائے حدیث جانتے ہیں کہ ان کو مانی ہوئی حدیث غلط ہے۔

یہ بات کوئی انکل پچو نہیں ہے، بلکہ وہ ٹھوس علمی دلائل ہیں، جن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں حدیث سچی ہے، اور کبھی دلائل اس حدیث کو یقینی بھی قرار دے دیتے ہیں۔ اسی طرح ان دلائل سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ فلاں حدیث، جھوٹی ہے، اور کبھی یہی دلائل قطعیت کے ساتھ ثابت کر دیتے ہیں کہ یقیناً وہ حدیث جھوٹی ہے۔

احادیث فضائل

مثلاً وہ حدیثیں، جو بدعتیوں اور غالیوں نے فضائل میں گھڑ لی ہیں، تو یہ حدیثیں قطعی طور پر جھوٹی ہیں، جیسے یوم عاشوراء کے بارے میں، یہ کہ جو کوئی دو رکعت نماز پڑھ لے گا، اسے اتنے نیوں کا ثواب ملے گا۔ تفسیروں میں اس قسم کی موضوعات کی بڑی کثرت ہے، مثلاً وہ حدیث

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) لایکا دیروی لفظا فیہ انتقاد الاویروی اللفظ الاخر الذی ببین انه منتقد فما

فی کتابہ لفظ منتقد الاوی فی کتابہ مایبین انه منتقد وقال فی تفسیر سورة الاخلاص

اذا رفع فی بعض الروایات غلط ذکر الروایات المحفوظة التي تبین غلط الغلط وقال

فی التوسل (۸۱) والبخاری من اعرف خلق الله بالحديث وعلمه مع فقه فیہ - ۱۱

”امام بخاری کی صحیح میں اگر کسی جگہ کوئی ایسا غلط لفظ آ جاتا ہے (جو کسی راوی کا وہم ہو) تو حضرت امام ایسی روایت

کا بھی اپنی صحیح میں ذکر فرمادیتے ہیں جو محفوظ اور وہم سے پاک ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری

حدیث کے علل و فقہ کے ماہر ترین شخص ہیں۔“

پس مصنف علامہ کا دوسرا ساطین کے اتباع میں یہ فرمان صحیح ہے۔ (اہل الحدیث یعلمون صدق

متون الصحیحین (منہاج ص ۱۱۳ جلد ۲) واللہ المستعان (ع-ح)

جسے ثعلبی (۱) واحدی (۲) اور زحمری (۳) نے قرآنی سورتوں کے فضائل میں روایت کیا ہے اور ہر سورہ کی فضیلت بتائی گئی ہے تو با تفاق اہل علم یہ حدیث موضوع ہے۔ ثعلبی اگرچہ نیک اور دیندار آدمی تھے مگر کتب تفسیر میں صحیح، ضعیف، موضوع، جو حدیث بھی دیکھ پاتے، نقل کر لیتے تھے۔ ان کے ساتھی واحدی اگرچہ عربیت میں ان سے زیادہ بصیرت رکھتے ہیں، مگر سلامتی اور اتباع سلف سے دور ہو گئے ہیں، لیکن بغوی کی تفسیر (۴) اگرچہ ثعلبی کی تفسیر سے مختصر ہے، مگر ایسی موضوع روایات اور بدعتی آراء سے انہوں نے اسے محفوظ رکھا ہے۔

کتب تفسیر میں موضوعات

کتب تفسیر جیسا کہ بیان ہو چکا، موضوعات کی بھرمار ہے، مثلاً وہ بہت سی حدیثیں جو بسم اللہ کے جہر پڑھنے میں روایت کی گئی ہیں، یا حضرت علیؑ کے متعلق ایک لمبی حدیث جس میں کہا گیا ہے کہ آپ نے نماز میں اپنی انگوٹھی صدقہ کر دی تھی۔ تو اہل علم کے نزدیک یہ حدیث موضوع (۵) ہے۔ اسی طرح آیت: **وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (الرعد-۷)** کی تفسیر میں روایت ہوا ہے کہ ہادی سے مراد علیؑ ہیں یا یہ آیت: **وَنَسِئَهَا أُذُنٌ وَاعْيَةٌ (الحاقة)** کی تفسیر میں حدیث روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اے علیؑ“ تیرا کان، تو یہ سب حدیثیں موضوع ہیں۔

۱- ابوالسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم العلوی انیسابوری، تفسیر میں لکھتا ہے روزگار وفات ۴۲۷ھ (ابن خلکان ص ۲۲ جلد ۱)

۲- علامہ ابوالحسن علی بن احمد الواحدی، نحو و تفسیر میں استاد عصر علامہ ثعلبی کے تلمیذ رشید متعدد کتابوں کے مصنف وفات ۴۶۸ھ (ابن خلکان ص ۲۳۳ جلد ۱)

۳- علامہ ابوالقاسم جارا اللہ محمود بن عمر الزحمری المعتزلی چار دانگ عالم میں شہرت یافتہ، تفسیر الکشاف کے مصنف، نحو بلاغت کے امام فرقة معتزلہ کے سرکردہ عالم وفات ۵۳۸ھ (ابن خلکان ص ۸۱-۸۳ جلد ۲)

۴- اس کا نام معالم التنزیل ہے، مصنف علامہ ابو محمد حسین مسعود بن الفراء البغوی الشافعی حدیث میں مصابح السنہ و شرح السنہ ان کی تصنیف ہے وفات ۵۱۶ھ اس تفسیر پر نواب محمد صدیق حسن کا تبصرہ یہ ہے کہ قصص بے اصل ایذا دہانہ الاما شاء اللہ (اکسیر ۱۰۴)

۵- یہ ایک طویل حدیث ہے جسے شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ذکر کیا کرتے ہیں۔ مصنف علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر منہاج السنہ (ص ۳-۹ جلد ۳) میں مفصل کلام فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں چند اور حدیثیں اور آثار بھی ہیں جنہیں حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ذکر فرمایا اور ان پر کلام بھی کیا ہے۔ دیکھئے سورہ مائدہ آیہ۔ **وَالَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ**

فصل (۴)

استدلال کی غلطی اور اس کے مضر نتائج

اختلاف کے دونوں اسباب^(۱) کی دوسری قسم میں علم کا ذریعہ استدلال ہوتا ہے نہ کہ نقل و روایت۔ اس قسم میں زیادہ تر غلطی دو جہتوں سے ہوئی ہے جو صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے بعد کی تفسیروں کی پیداوار ہیں۔ ان تفسیروں میں نہیں جو صرف انہی بزرگان سلف کے اقوال سے مرتب ہوئی ہیں، مثلاً وہ تفاسیر جو عبدالرزاق^(۲) و کعب^(۳) محمد بن حمید^(۴) محمد الرحمن^(۵) بن ابراہیم دجیم نے تیار کی ہیں اور مثلاً امام احمد^(۶) اسحاق^(۶) بن راہویہ^(۷) مقلد^(۷) ابو بکر بن المنذر^(۸)

۱۔ صفحہ ۴۱ سے یہاں تک پہلی قسم کا بیان ہوا ہے۔

۲۔ ابو بکر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی اور حافظ حدیث امام مالک کے شاگرد اور امام احمد بن حنبل کے استاد۔ وفات ۲۱۱ھ۔

۳۔ ابوسفیان و کعب بن الجراح الکوفی فقہ و حدیث کے امام وفات ۱۹۶ھ۔

۴۔ امام ابو محمد عبد بن حمید حافظ حدیث متعدد کتابوں کے مصنف ایک تفسیر بھی لکھی تھی۔ وفات ۲۳۹ھ۔

۵۔ عبدالرحمن بن ابراہیم بن عمرو القرظی دجیم کے لقب سے شہرت پائی۔ اصحاب صحاح ستہ کے شیخ تہجیبات میں امام اوزاعی کے مسلک کو پسند فرماتے تھے۔ وفات ۲۴۵ھ (تہذیب ۱۳۱ جلد ۶)

۶۔ امام ابو محمد اسحاق بن ابراہیم بن راہویہ۔ فقہ و حدیث کے مشہور امام۔ وفات ۲۳۳ھ۔

۷۔ ابو عبدالرحمن مقلد القرظی اپنے وقت کے شیخ الاسلام اندلس میں حدیث کا چچا آپ کی ہی بدولت ہوا صاحب اجتہاد اہل حدیث وفات ۲۷۶ھ (تذکرۃ المحققین ص ۱۸۴ جلد ۱)

۸۔ ابو بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر انیشا بوری صاحب اجتہاد اہل حدیث امام متعدد نفیس کتابوں کے مصنف وسعت نظر میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ وفات ۲۱۸ھ (ابن خلکان ص ۳۶۱ جلد ۱)

سفیان بن عیینہ^(۱)، مسد^(۲)، ابن جریر^(۳)، ابن ابی حاتم^(۴)، ابوسعیدان^(۵)، ابو عبد اللہ^(۶) بن ماجہ اور ابن مردویہ^(۷) کی تفسیریں۔ ایک وہ لوگ ہیں جنہوں نے پہلے سے اپنے کچھ عقیدے اور نظریے بنا لیے پھر قرآنی الفاظ کو کھینچ تان کر ان پر منطبق کرنے لگے اور دوسرے وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن کی تفسیر، محض لغت عرب سے کی ہے اور یہ لحاظ نہیں کیا کہ متکلم قرآن کی مراد کیا ہے اور اس نے جس پر قرآن نازل ہوا، کیا مطلب بیان فرمایا ہے اور وہ لوگ جو قرآن کے اولین مخاطب تھے، کیا سمجھے تھے۔

پہلی قسم کے لوگوں کی نظر میں صرف اپنے ٹھہرائے ہوئے معنی رہے اور یہ خیال کیا کہ قرآن کے الفاظ کا مطلب و مراد کیا ہے۔ دوسری قسم والوں کی نگاہ صرف الفاظ پر رہی اور بس یہی دیکھتے رہے کہ عرب ان الفاظ کے کیا معنی بتاتا ہے۔ مگر متکلم قرآن کے مقصد اور سیاق کلام سے غافل ہو گئے۔

نیز آخر الذکر یہ طے کرنے میں بھی اکثر غلطی کر جاتے ہیں کہ قرآنی لفظ لغوی معنی کا متحمل بھی ہے یا نہیں، جیسا کہ یہی غلطی پہلا گروہ بھی کرتا تھا جن کو اپنے خاص نظریے کے اثبات کی وجہ سے اس سے غرض نہیں ہوتی تھی کہ جو معنی وہ لگا رہے ہیں، چسپاں بھی ہوتے ہیں یا نہیں؟ غرض

۱- ابو محمد سفیان بن عیینہ الکوفی مشہور حافظ حدیث۔ وفات ۱۹۸ھ۔

۲- ابوعلی سعید بن داؤد امام عبد اللہ بن مبارک کے شاگرد ایک تفسیر تصنیف فرمائی۔ وفات ۲۲۰ھ۔

۳- امام ابو جعفر محمد بن جریر بطبری تفسیر حدیث فقہ تاریخ کے مستند مسلم امام مصنف علامہ اور دیگر امر کے نزدیک ان کی تفسیر بہترین تفسیر تسلیم کی گئی ہے، مصر میں متعدد مرتبہ طبع ہوئی۔ وفات ۳۱۰ھ (ابن خلکان

ص ۳۵۶ جلد ۱)

۴- ابو محمد عبد الرحمن بن محمد بن ابی حاتم، فن حدیث و تفسیر کے ماہر خصوصی حال ہی میں آپ کی کتاب الجرح والتعدیل حیدرآباد میں طبع ہوئی ہے، جو فن حدیث میں اعلیٰ کتاب شمار ہوتی ہے۔ وفات ۳۲۷ھ۔

۵- ابوسعید عبد اللہ بن سعید الکندی الکوفی الاصحیح حافظ حدیث اور امام وفات ۲۵۷ھ۔

۶- امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ الربیع مشہور حافظ حدیث سنن ابن ماجہ کے مصنف ایک تفسیر بھی تصنیف فرمائی۔ وفات ۲۴۳ھ۔

۷- حافظ ابو بکر احمد بن موسیٰ الاصبہانی بن مردویہ تفسیر حدیث تاریخ کے ماہر وفات ۴۱۶ھ (تذکرۃ الحفاظ

ص ۲۳۸ جلد ۳)۔

کہ غلطی میں دونوں گروہ برابر ہیں۔ فرق یہ ہے کہ پہلے کی نگاہ معنی پر زیادہ رہتی ہے اور دوسرے کی لفظ پر۔

پہلے گروہ والے کبھی یہ کرتے ہیں کہ قرآنی لفظ کے معنی و مراد کو سلب کر کے ایسے معنی لگاتے ہیں جن پر لفظ کی نہ دلالت ہوتی ہے اور نہ وہ مراد ہی ہو سکتے ہیں۔ اور کبھی قرآنی الفاظ کے ایسے معنی لیتے ہیں جن کے وہ متحمل نہیں ہوتے۔ اگر ان کا لگایا ہوا حکم نفی کی صورت میں ہو یا اثبات کی باطل ہے تو دلیل اور مدلول دونوں غلط ہو جاتے ہیں۔ اور اگر حکم صحیح ہے تو بھی مدلول میں نہ سہی دلیل میں غلطی پر رہتے ہیں۔

مطالب حدیث میں بھی ٹھوکرا

تفسیر کی طرح حدیث میں بھی یہی غلطیاں کی گئی ہیں۔ بدعتی فرقوں نے دلیل و مدلول دونوں میں ٹھوکرا کھا کے ایسے ایسے مذہب بنا لیے ہیں جو حق سے دور ہیں وہ حق جس پر امت وسط کا اجتماع ہو چکا ہے اور امت وسط کا اجتماع گمراہی پر کبھی نہیں ہو سکتا، ”امت وسط“ سلف صالحین اور ان کے ائمہ ہیں۔

بدعتی فرقوں کا قرآن سے برتاؤ

اہل بدعت کا قرآن مجید سے یہ برتاؤ ہوتا ہے کہ اپنی رائے سے اس کی تاویلیں کرتے ہیں اور کبھی اس کی آیتوں سے اپنے مذہب کی تائید میں ایسے دلائل لاتے ہیں جن کی متحمل آیتیں نہیں ہوتیں اور کبھی اپنے مذہب کے خلاف پڑنے والی آیتوں کی تاویل میں تحریف سے بھی کام لیتے ہیں، خوارج،^(۱) روافض، جہمیہ، معتزلہ، قدریہ، مرجیہ وغیرہ فرقوں کی یہی روش ہے۔

۱- یہ فرقے: خارجی، رافضی، معتزلہ، قدریہ، مرجیہ، جہمیہ وغیرہ سب بدعتی ہیں جو مسلک حدیث و سنت اور جماعت صحابہ سے منحرف تھے۔

(۱) خارجی، جن کو صحابہ، حرور یہ بھی کہتے تھے کیونکہ حرور نام جگہ ان کا مرکزی مقام تھا۔ یہ فرقہ قصہ حکیم کی پیداوار ہے۔ حضرت علیؑ سے باغی (خارجی) ہو کر ان سے برس پر پیکار ہو گئے تھے اور حضرت علیؑ کو (حاکم بدہن) کا فر کہتے تھے۔

(۲) رافضی، شیعوں کا غالی فرقہ ہے جو (نعوذ باللہ) صدیق اکبرؑ و فاروق اعظمؑ جیسے اجلہ صحابہ کی تکفیر کرتے ہیں۔ رافضی یوں کہلائے کہ انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے زید بن علیؑ کا بھی ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

معتزلہ کا انداز تفسیر

معتزلہ بحث وجدال وکلام میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے مذہب کی تائید میں تفسیریں لکھی ہیں، مثلاً امام شافعیؒ سے مناظرہ کرنے والے ابراہیم بن اسماعیل بن علیہؒ (۱) کے شیخ عبدالرحمنؒ (۲) بن کیسان اصم کی تفسیر یا ابوعلی الجبائیؒ (۳) کی کتاب یا قاضی عبدالجبار بن احمد ہمدانی کی تفسیر کبیر یا علی (۵) بن عیسیٰ رمانی کی کتاب یا ابو القاسم زخشری کی

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) (۳) معتزلہ اس فرقہ کی ابتدا تو اصل بن عطاء سے ہوئی جو اپنی شوریدہ سری کی وجہ سے اپنے استاد حضرت امام حسن بصریؒ کے حلقہ درس سے علیحدہ ہو گیا اور اسی وجہ سے ان کو معتزلہ کہا جانے لگا (جس کا معنی الگ ہو جانے والا نولہ ہے) لیکن عباسیوں کے دور میں اس نے علمی طور پر کافی ترقی کر لی تھی، گویا ان کو اس دور کا ”گرجویٹ طبقہ“ کہنا چاہیے۔

(۴) قدریہ تقدیر الہی کے انکار تھے اور کہتے تھے انسان اپنی دنیا خود بناتا ہے، اللہ تعالیٰ کو اس میں کوئی دخل نہیں (یعنی انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے) (معاذ اللہ)

(۵) مرجہ کہتے تھے کہ نجات کے لیے عمل ضروری نہیں خالی خولی ایمان کافی ہے، اور بد کرداری سے ایمان کا کچھ نہیں بگڑتا، عمل ایمان سے موخر ہے۔

(۶) جمیہ جم بن صفوان اس کا بانی بتایا جاتا ہے جو انتہا درجے کا طہ اور عیار تھا اور اپنی عیار یوں کی بدولت ۱۲۸ھ میں قتل کر دیا گیا۔

(ان فرقوں کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھئے السلسل والنحل شہرستانی حمیدہ الاکوان از نواب سید محمد صدیق حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ اور خود مصنف کی تصانیف)

۱- ابراہیم ابن اسماعیل بن علیہ جمیہ فرقہ کا مناظرہ تھا۔ امام شافعیؒ سے گمراہ کہتے تھے۔ وفات ۲۱۸ھ (لسان المیزان ص ۳۲ جلد ۱)۔

۲- ابو بکر عبدالرحمن بن کیسان الاصم۔ یہ شخص معتزلہ کا فقیہ تھا۔ بڑا فصیح اور پرہیزگار (لسان المیزان ص ۴۷ جلد ۳)۔

۳- ابوعلی محمد بن عبدالوہاب جبائی معتزلہ کے اہل قلم اساطین میں ان کا شمار ہے۔ اہل سنت کی اشعری شاخ کے راہنما حضرت امام ابو الحسن اشعریؒ کا استاد۔ وفات ۳۰۳ھ (ابن خلکان ص ۲۸۱ جلد ۱)۔

۱۲- قاضی عبدالجبار بن احمد ہمدانی معتزلہ کے جلیل القدر عالم ”تنزیہ القرآن عن المطامین“ ان کی تصنیف ہے جو ۱۳۲۶ھ میں مصر سے شائع ہو چکی ہے وفات ۴۱۵ھ (لسان المیزان ص ۳۸۶ جلد ۳)۔

۵- ابو الحسن علی بن عیسیٰ رمانی، ادب، نحو اور علم کلام کے مشہور عالم، قرآن حکیم کی ایک تفسیر بھی لکھی۔ وفات ۲۸۲ھ (ابن خلکان صفحہ ۳۳۲ جلد ۱)۔

کشاف، یہ سب لوگ مذہب معتزلہ کے قائل ہیں۔

معتزلہ کے اصول خمسہ اور ان کی حقیقت

معتزلہ کے پانچ اصول ہیں، جن کے نام انہوں نے یہ رکھ چھوڑے ہیں: (۱) توحید (۲) عدل (۳) منزلت اوسط (یعنی مرتکب کبائر نہ مومن نہ کافر) (۴) انفاذ وعید اور (۵) امر بالمعروف ونہی عن المنکر، ان کی توحید اسی قسم کی ہے، جیسی جہمیہ کی توحید اور اس کا مضمون صفات الہیہ کی نفی ہے۔ معتزلہ بھی یہی کہتے ہیں کہ خدا دیکھتا نہیں، قرآن مخلوق ہے، خدا اس جہان کے اوپر نہیں، اس کے ساتھ نہ علم ہے نہ قدرت، نہ حیات، نہ سننا، نہ دیکھنا، نہ کلام، نہ مشیت، نہ کوئی اور صفت۔

اور ان کے ”عدل“ کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا نے نہیں چاہا تھا کہ یہ سب کائنات ہو۔ اس نے اس سب کو پیدا بھی نہیں کیا ہے، وہ اس سب پر قادر بھی نہیں ہے، اور کہتے ہیں کہ بندوں کے افعال خیر ہوں یا شر، خدا نے پیدا نہیں کیے۔ خدا نے بس وہی چاہا ہے جس کا شریعت میں حکم دیا ہے، اس کے علاوہ بندوں کے جتنے افعال ہیں، اس کی مشیت کے بغیر ہیں، اس بارے میں متاخرین شیعہ، مثلاً المفید^(۱) اور ابو جعفر طوسی^(۲) وغیرہ نے معتزلہ کا ساتھ دیا ہے، اور اسی طریقہ پر تفسیر لکھ دی ہے، لیکن اس میں امامیہ^(۳) اثنا عشریہ کے خاص عقائد بھی شامل کر گئے ہیں، حالانکہ کوئی معتزلی ان کا قائل نہیں۔ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ کی خلافت سے معتزلہ انکار نہیں کرتے، آخرت میں انفاذ وعید کے اصول میں معتزلہ، خوارج کے ہم نوا ہیں، کہتے ہیں کبیرہ گناہوں کے مرتکبوں کے لیے نہ شفاعت ہے نہ ان میں سے کوئی جہنم سے نکل سکے گا۔

بلاشبہ مرجیہ، کرامیہ،^(۴) کلابیہ^(۵) وغیرہ فرقوں کی طرف سے ان کے رد میں بہت کچھ لکھا

- ۱- ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن نعمان شیخ الرافض ”مفید“ کے لقب سے شہرت یافتہ قریباً سو کتابوں کا مصنف، صحابہؓ پر تمزائی - وفات ۲۱۳ھ (لسان المیزان ۳۶۸ جلد ۵)
- ۲- ابو جعفر محمد بن حسن طوسی۔ مفید صاحب کا شاگرد شیعہ طرز پر تفسیر قرآن کا مصنف، وفات ۲۶۰ھ (لسان المیزان ص ۱۳۵ جلد ۵)۔
- ۳- شیعوں کا دہ فرقہ جو بارہ اماموں کو مانتے ہیں۔
- ۴- ایک بدعتی فرقہ محمد بن کرام کی طرف منسوب۔
- ۵- ایک فرقہ عبد اللہ بن سعید ابن کلاب کی طرف منسوب۔

گیا ہے۔ یہ سب گروہ اس بحثا بحثی میں ٹھیک بھی راہ چلے ہیں، لیکن کبھی ایسے بھٹکے ہیں کہ غلو کے مقابلے میں غلو کرتے ہوئے بالکل نفیض کی حد پر پہنچ گئے ہیں، جیسا کہ کسی اور جگہ یہ بحث تفصیل سے کی گئی ہے۔

یہاں مقصود یہ بتانا ہے کہ ان لوگوں نے پہلے سے ایک رائے پر عقیدہ جمالیا، اس کے بعد قرآنی الفاظ کو اس پر چسپاں کرنے لگے، حالانکہ اس بارے میں انہیں سلف صالحین سے کوئی روشنی نہیں ملی نہ صحابہؓ سے نہ تابعین سے نہ ائمہ مسلمین سے، ان کی باطل تفسیروں میں کوئی تفسیر نہیں، جس کا بطلان ظاہر نہ ہو۔ ان کے اقوال سے ان کے دلائل سے، مخالف کو ان کے جواب سے، غرض کہ کسی نہ کسی جہت سے بطلان ظاہر ہو جاتا ہے۔

عبارت آرائی کا فتنہ

ان میں ایسے بھی ہیں جو حسین عبارت لکھتے ہیں، فصاحت کے مالک ہیں اور اپنی تحریروں میں بدعتیں اس طرح چھپا دیتے ہیں کہ اکثر لوگوں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ مصنف کشف^(۱) ہی کو دیکھو کس طرح ایسے لوگوں میں بھی باطل کو رواج دے دیتا ہے، جو باطل کے معتقد نہیں ہوتے۔ چنانچہ میں نے دیکھا ہے کہ علماء و مفسرین اپنی کتابوں میں ان لوگوں کی تفسیر سے ایسی چیزیں بھی لے لیتے ہیں، جو ان کے باطل اصول کے مطابق ہوتی ہیں۔ حالانکہ ان اصولوں کو تو فاسد ہی یقین کرتے ہیں، مگر نادانستہ ان کی گمراہیاں نقل کر جاتے ہیں۔

ان لوگوں کی بے راہ روی اور ضلالت ہی نے رافضیہ، امامیہ، فلاسفہ اور قرامطہ وغیرہ کو موقعہ دیا کہ مسلمانوں میں گھس آئیں اور اپنی گمراہیاں پھیلایا کریں۔ فلاسفہ، قرامطہ، رافضیہ نے تو قرآن کی ایسی ایسی تفسیریں کی ہیں کہ آدمی بس تعجب کرتا ہی رہ جاتا ہے۔

۱- تفسیر کشف پر تفصیلی تبصرہ کے لیے دیکھو کشف الفنون ص ۳۰۹-۳۱۶ جلد ۲، واکسیر فی اصول التفسیر از مولانا سید محمد صدیق حسن خاں رحمہ اللہ۔ ایک محدث فرماتے ہیں کہ میں نے کشف کے ایک مقام سے اعتراف مومنین سے نکالا ہے (اتقان ص ۱۹۰ - جلد ۲) راقم عرض کرتا ہے ہمارے زمانے کی بعض عربی تفسیروں اور بعض اردو تراجم و تفسیر کا بھی یہی حال ہے کہ ساحرانہ انداز بیان میں کج روی (الحاد) سمودی لگی ہے۔ بڑی احتیاط سے ایسی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

روافض کی تفسیروں کے نمونے

رافضیوں کی تفسیر کا نمونہ دیکھو کہتے ہیں: "تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ" ابولہب کے دونوں ہاتھوں سے مراد ابو بکرؓ و عمرؓ ہیں۔ لِسْنُ اشْرَكَتٍ لِيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ "یعنی خلافت میں اگر علیؓ کے ساتھ ابو بکرؓ و عمرؓ کو شریک کر دیا تو اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تیرے عمل رائیگاں جائیں گے! "إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقْرَةَ"۔ جس گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ عائشہؓ ہیں! "فَاتْلُوا آيَةَ الْكُفْرِ"۔ یعنی طلحہ و زبیرؓ! "مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ" سے مراد علیؓ و فاطمہؓ ہیں! "اللُّلُؤُ وَالْمَرْجَانُ" حسن و حسینؓ ہیں! "كُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ" میں امام مبینؓ علیؓ ہیں! "عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ عَنِ النَّبِيِّ الْعَظِيمِ" علیؓ بن ابی طالب! إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ"۔ (المائدہ: ۵۶۰۸) سے مراد علیؓ ہے!

یہ لوگ ایک لمبی حدیث بھی روایت کیا کرتے ہیں۔ اس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت علیؓ نے نماز پڑھتے ہوئے اپنی انگلی صدقہ کر دی تھی حالانکہ باتفاق اہل علم یہ حدیث موضوع ہے۔^(۱) اسی طرح یہ لوگ کہتے کہ آیت "أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ" (البقرہ: ۱۹) حضرت علیؓ کے بارے میں نازل ہوئی جب حضرت حمزہؓ شہید ہو گئے!

مندرجہ ذیل تفسیریں بھی بعض وجوہ سے اسی قبیل سے کہی جاسکتی ہیں۔ مثلاً بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آیت "الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ" (آل عمران: ۱۷) میں صابریں سے مراد عثمانؓ ہیں اور مستغفرین سے مراد علیؓ ہیں۔ اسی طرح کہتے ہیں کہ آیت: "مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا" (فتح: ۲۵) میں وَالَّذِينَ مَعَهُ سے مراد ابو بکرؓ ہیں اشداء علی الكفار سے عمرؓ رحماء بینہم سے عثمانؓ اور تراہم ركعًا سجدًا سے مراد علیؓ ہیں! اس سے بھی زیادہ عجیب وہ تفسیر ہے جو بعضوں نے سورہ تین کی کی ہے۔ لکھتے ہیں "وَالْتَيْنِ" یعنی ابو بکرؓ! "وَالزَّيْتُونَ" یعنی عمرؓ "وَطُورِ سَيْنِينَ" یعنی عثمانؓ! "وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ"

یعنی علیؑ۔

خرافاتِ تفسیری

اس قسم کی خرافاتی تفسیروں میں کبھی یہ ہوتا ہے کہ لفظ کے ایسے معنی لگالیے جاتے ہیں جو اس کے ہرگز نہیں ہوتے، چنانچہ ان تفسیروں کے جو نمونے اوپر دیے گئے ہیں ان میں قرآنی الفاظ ان اشخاص پر دلالت نہیں کرتے جنہیں مراد لیا گیا ہے۔ آیت وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكُوعًا سُجَّدًا (الفتح) میں جو صفتیں ذکر کی گئی ہیں ان لوگوں کی ہیں جو رسول اللہ کے ساتھ تھے۔ یہ وہی چیز ہے جس کے لیے نحویوں نے ”خبر بعد خبر“ کی اصطلاح تجویز کی ہے۔ یعنی یہ سب صفتیں ایک ہی موصوف کی ہیں اور وہ موصوف اصحاب رسول اللہ ﷺ ہیں۔ لہذا ان میں سے محض ایک شخص کو مراد لینا جائز نہیں۔

اور کبھی ان خرافاتی تفسیروں میں قرآن کے مطلق عام لفظ کو شخص واحد پر منحصر کر دیا جاتا ہے جیسے ارشاد خداوندی ”اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا“ کی تفسیر میں کہنا کہ مراد صرف علیؑ ہیں یا بعضوں کا کہنا کہ آیت ”وَالَّذِيْنَ جَاءَ بِالْبَصْدِ قِ وَاَصْدَقَ بِهٖ“ (زمر ۳: ۳۴) سے مراد صرف ابو بکرؓ ہیں۔ اور ”لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ“ (الحديد ۱۰: ۱) سے بھی مراد محض ابو بکرؓ ہیں۔

ابن عطیہ^(۱) اور ان جیسے لوگوں کی تفسیریں زخشری کی تفسیر کے مقابلے میں مسلک سنت و جماعت کی زیادہ پابند اور بدعت سے بہت کچھ محفوظ ہیں۔ ابن عطیہ اگر صرف ماثور تقاسیر سے سلف صالحین ہی کے اقوال نقل کرتے تو کہیں بہتر و مستحسن ہوتا، مگر وہ کرتے یہ ہیں کہ محمد بن جریر کی تفسیر سے جو نہایت جلیل القدر اور عظیم الشان تفسیر ہے، نقل کرتے کرتے خود ابن جریر کی منقولات سلف کو چھوڑ کر کچھ اور شروع کر دیتے ہیں کہ محققین کا یہی قول ہے، حالانکہ وہ محققین کا

۱- مفسرین میں ابن عطیہ دو شخص ہیں ایک کی وفات ۳۸۳ھ کی ہے۔ ان کا نام ابو محمد عبد اللہ بن عطیہ دمشقی ہے (مفتاح السعادة ص ۱۹۷ جلد ۱- طاش کبری زادہ) دوسرے بزرگ ابو محمد عبد الحق بن ابی بکر غرناطی ہیں۔ جن کی وفات ۵۴۲ھ میں ہوئی ہے۔ مصنف علام کے کلام میں وہی مراد ہیں۔ ان کی تفسیر کا نام ”المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز“ ہے علام ابو حیان فرماتے ہیں: ”هو اجل من صنف فی علم التفسیر“ (كشف الظنون ص ۳۹۳ جلد ۲)

نہیں بلکہ متکلمین کا قول ہوتا ہے جنہوں نے اپنے اصول اسی راہ کے ٹھہرائے ہیں جو معتزلہ کی راہ ہے اگرچہ وہ معتزلہ کی بہ نسبت سنت سے زیادہ قریب ہیں۔

مخالف سلف تفسیر بدعت کی راہ ہے

ضروری ہے کہ ہر چیز کو اس کے اصلی رنگ میں دیکھا جائے اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملایا جائے، کسی آیت کی تفسیر میں صحابہؓ تابعینؓ اور ائمہؒ کے اقوال موجود ہوتے ہوئے جب لوگ اپنے ٹھہرائے ہوئے مذہب کی بیچ میں دوسری تفسیریں کرنے لگیں، اور ان کا مذہب صحابہؓ و تابعینؓ کے مذہب کے مطابق نہ ہو، تو وہ لوگ اپنی اس حرکت سے معتزلہ وغیرہ بدعتی فرقوں کے شریک کار بن جاتے ہیں۔

غرض کہ جو کوئی صحابہ و تابعین کے مذہب اور ان کی تفسیر سے ہٹ جاتا اور مخالف مسلک اختیار کرتا ہے، وہ غلطی کرتا ہے بلکہ بدعتی بن جاتا ہے، اب اگر اس نے اجتہاد کی راہ سے ایسا کیا ہے، تو خدا اس کی غلطی معاف کر دے گا۔ یہاں مقصود یہ بتانا ہے کہ علم کے طریقے و دلائل اور راہ صواب کیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ صحابہؓ نے تابعینؓ نے تبع تابعینؓ نے قرآن پڑھا تھا، اور اس کی تفسیر و معانی کا اسی طرح سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے، جس طرح اس حق کو سب سے بڑھ کر جاننے والے تھے، جسے دے کر خدا نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا تھا۔ اب جو کوئی ان سلف صالحین سے کٹ کر الگ راہ چلتا اور ان کی تفسیر کے خلاف تفسیر کرتا ہے، تو بے شک دلیل و مدلول دونوں میں غلطی کا مرتکب ہوتا ہے، لیکن اگر اس کی مخالفت کسی عقلی و سماجی شے کی بنا پر ہے، جس کی تصریح کرتا ہے، تو اس کا معاملہ جدا ہے، اور اپنی جگہ پر اس سے بحث کی گئی ہے۔

فصل (۵)

نتیجہ بحث سابق

یہاں بتانا یہ ہے کہ تفسیر میں جو اختلاف نظر آ رہا ہے کس سبب سے پیدا ہو گیا ہے؟ سو واضح رہے کہ اس اختلاف کا ایک سبب سے بڑا سبب باطل بدعتوں کا ظہور ہے۔ بدعتی لوگوں نے تحریف سے کام لیا، اور کلام اللہ اور کلام رسول اللہ ﷺ کے ایسے معنی لگائے جو اس کے نہیں تھے اور ایسی تاویلوں کے تیر چلائے جن کا وہ متحمل نہ تھا۔

لہذا یہ بنیادی چیز ہے کہ آدمی اس قول کو اچھی طرح جانے اور سمجھے جس کی بدعتیوں نے مخالفت کی ہے، اور یقین کرے کہ وہی قول حق ہے۔ پھر تفصیلی طریقوں سے معلوم ہونا چاہیے کہ بدعتیوں کی تفسیر میں کیا خرابیاں ہیں، اور یہ اسی طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ حق پر خدا کی طرف سے منصوب و قائم دلائل و براہین کی پوری معرفت حاصل ہو۔

متاخرین سے جیسی غلطیاں قرآن کی تفسیر میں ہوئی ہیں ویسی ہی حدیث پر ان کی شرحوں^(۱) اور تفسیروں میں بھی پیش آئی ہیں۔

تفسیر میں جن لوگوں سے مدلول میں نہیں، بلکہ دلیل میں غلطیاں ہوئی ہیں ان میں بہت

۱- شارحین حدیث میں جن لوگوں کا تعلق اشعری اور ماتریدی علم کلام سے ہے ان کا یہی حال ہے کہ وہ اسی نقطہ نگاہ کو شرح حدیث میں سامنے رکھتے ہیں، جو ان کے متعلق کتب فکر کا ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ قاضی ابن العربی مالکی، قاضی عیاض مالکی، علامہ نووی، شافعی، امام بیہقی شافعی، حافظ ابن الجوزی حنبلی ملا علی قاری حنفی وغیرہم نے آیات متعلقہ صفات الہیہ کی شرح و تفسیر میں وہی انداز اختیار کیا ہے جو معتزلہ سے ماخوذ ہے۔ لیکن واضح رہے کہ حق و صواب وہی مسلک ہے جس پر ظواہر نصوص دال ہیں اور جو ائمہ سلف اور اہل حدیث اصحابِ برہتہ وغیرہم، کا مسلک ہے اور یہی عقیدہ صحیح بھی ہے۔ فان الحق احق بالاتباع، واللہ اعلم۔

سے صوفی و اعظما فقہاء وغیرہ بھی ہیں۔ یہ لوگ جو معنی کرتے ہیں گو وہ اپنی جگہ صحیح ہوں مگر قرآن ان پر دلالت نہیں کرتا چنانچہ ابو عبد الرحمن^(۱) کی حقائق التفسیر ایسی غلطیوں سے بھری پڑی ہے اور جب یہ لوگ اپنی تفسیر میں غلط معانی بھی بیان کرتے ہیں تو پہلی قسم کے لوگوں میں داخل ہو جاتے ہیں جو دلیل میں بھی باطل پر ہیں اور مدلول میں بھی باطل پر ہیں۔

۱- ابو عبد الرحمن محمد بن عبد الرحمن السلمی اپنے زمانے کے صوفیوں کا شیخ اور مورخ تھا بلکہ ان کے لیے حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔ حقائق التفسیر ان ہی کے لیے تصنیف کی (لسان المیزان ص ۱۴۰ جلد ۵) اس تفسیر میں بقول حافظ ابن الصلاح ایسی تفسیر بھی ہے جو کفر تک پہنچا سکتی ہے (اتقان ص ۱۸۴ جلد ۲ اکیسر ۷۴۰)۔

فصل (۶)

تفسیر کا صحیح طریقہ

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر تفسیر کا سب سے بہتر طریقہ کیا ہے؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ تفسیر کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کی جائے۔ قرآن میں جو مضمون ایک جگہ مجمل ہے دوسری جگہ مفصل ملے گا اور جہاں اختصار سے کام لیا گیا ہے دوسری جگہ اس کی تفصیل مل جائے گی اور اگر اس میں کامیاب نہ ہو سکو تو سنت کی طرف رجوع کرو جو قرآن کی شرح و تفسیر کرتی ہے بلکہ امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس الشافعی نے تو یہاں تک فرما دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو حکم بھی دیا ہے وہ قرآن ہی سے ماخوذ (۱) ہے۔

خدا فرماتا ہے:

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُنَ مِنَ الْخَائِنِينَ خَصِيمًا - (النساء ۱۶: ۱۰۵)

”بلاشبہ اتاری ہم نے تیری طرف کتاب سچی تاکہ فیصلہ کرے تو لوگوں کے درمیان ساتھ اس کے جو سمجھا دے تجھ کو (اے نبی ﷺ) اللہ اور مت ہو تو خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑا کرنے والا۔“

اور فرماتا ہے:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ - (النحل ۶: ۴۴)

”اور اتاری ہم نے تیری طرف یہ کتاب تاکہ وضاحت کرے تو لوگوں کے لیے ان مضامین کی جو ان کی طرف اتارے گئے ہیں اور تاکہ وہ غور کیا کریں۔“

وما انزلنا الیک الكتاب الا لتبین لهم الذی اختلفوا فیہ ہدی ورحمة
لقوم یومنون (النحل: ۸: ۱۳)

”اور ہم نے تم پر (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کتاب اسی لیے نازل کی ہے کہ تم
کھول کر بتا دو (ان کو وہ باتیں جن میں یہ باہم مختلف ہیں اور نیز یہ ہدایت اور رحمت
ہے ایمان والوں کے لیے“

اور اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: معلوم ہے کہ مجھے قرآن بھی بخشا گیا ہے اور
قرآن کے ساتھ اس کا مثل بھی۔“ (۱) اور یہ مثل قرآن سنت ہے۔ سنت بھی نازل ہوتی تھی،
البتہ قرآن کی طرح اس کی تلاوت نہیں رکھی گئی۔ امام شافعی وغیرہ نے اسے بکثرت دلائل سے
واضح کیا ہے۔ جس کی تشریح کا یہ موقعہ نہیں۔

مقصد یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن ہی سے طلب کرو اور اگر نہ پاؤ تو سنت میں تلاش
کرو جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ سے فرمایا تھا: جب انہیں یمن روانہ کرنے لگے
”کس چیز سے فیصلہ کرو گے؟“ معاذؓ نے عرض کیا: کتاب اللہ سے، فرمایا ”اور اگر اس میں نہ
ملے؟“ معاذؓ نے عرض کیا تو سنت رسول اللہ ﷺ سے۔ فرمایا ”اگر سنت میں بھی نہ پایا؟“ عرض
کیا تو اس صورت میں اپنے اجتہاد رائے سے کام لوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر معاذؓ کے
سننے پر ہاتھ مارا اور فرمایا ”خدا کا شکر، جس نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد کو وہ توفیق بخشی جس
سے اللہ کا رسول راضی ہے!“ یہ حدیث اچھی اساد کے ساتھ کتب مسانید و سنن میں موجود
ہے۔ (۲)

لیکن جب ہمیں قرآن اور سنت میں تفسیر نہ ملے تو ہمیں اس کی جستجو اقوال صحابہ میں کرنا
چاہیے، کیونکہ مخصوص قرآن و حالات کے مشاہدے کی وجہ سے وہ مطالب قرآن سب سے
زیادہ جاننے والے تھے اور مکمل فہم و عمل صالح کے مالک تھے، خصوصاً ان کے علماء و اکابر جیسے
خلفائے اربعہ اور ہدایت یاب ائمہ جیسے عبداللہ بن مسعود، امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری نے اپنی

۱۔ یہ روایت مکتوٰۃ کتاب الاعتصام میں بحوالہ سنن ابوداؤد، دارمی، مسند احمد وغیرہ ہے۔ تنقیح الرواۃ میں علمائے
حدیث سے نقل فرمایا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

۲۔ حضرت معاذؓ کی یہ حدیث سنن ابی داؤد۔ جامع ترمذی وغیرہ کے کتاب القضاء میں ہے۔ تفصیلی بحث کے
لیے دیکھئے (مختصر الحیر ص ۴۰۱، عون المعبود ص ۳۳۱ جلد ۳، تحفۃ الاحوزی ص ۲۷۶ جلد ۳)

اسناد سے روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ کہا کرتے تھے، ”قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ کتاب اللہ کی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی، جس کے بارے میں مجھے معلوم نہ ہو، کس کے حق میں نازل ہوئی ہے اور کہاں نازل ہوئی ہے۔ اگر میں کسی ایسے شخص کو جانتا جو مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا علم رکھتا ہے، اور اس کے پاس سواری سے پہنچا جاسکتا، تو میں ضرور اس کے پاس جا پہنچتا۔“ (۱) اور اعمش (۲) نے اپنی اسناد سے انہی عبد اللہ بن مسعودؓ کا یہ قول روایت کیا ہے۔ ”ہم میں سے کوئی جب دس آیتیں پڑھتا تھا، جب تک ان آیتوں کے معانی کی معرفت حاصل نہ کر لے اور ان پر عمل میں بھی پختہ نہ ہو جائے۔“ (۳)

انہی ہدایت یاب ائمہ میں سے رسول اللہ ﷺ کے ابن عم، ترجمان القرآن حبر الائمہ عبد اللہ بن عباسؓ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی برکت دعا سے بحر العلوم بن گئے تھے۔ فرمایا تھا ”خدا یا! اسے دین میں نفع اور قرآن کا فہم بخش دے۔“ (۴)

ابن جریرؒ نے اپنی اسناد سے روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ کہا کرتے تھے۔ ”ابن عباسؓ قرآن کے کیا ہی خوب ترجمان ہیں!“ (۵) عبد اللہ بن مسعودؓ کا یہ قول ابن عباسؓ کے حق میں کئی طریقوں سے مروی ہے، لہذا یقین ہے کہ ابن مسعودؓ نے یہی کہا تھا۔ عبد اللہ بن مسعودؓ کا انتقال ۳۳ھ میں ہوا۔ صحیح روایت یہی ہے، لیکن عبد اللہ بن عباسؓ ان کے بعد بھی چھتیس سال زندہ ہے۔ اندازہ کر لو کہ ابن مسعودؓ کے بعد اس طویل مدت میں عبد اللہ بن عباسؓ کے علوم میں کتنا بہت اضافہ ہو گیا ہوگا؟ اعمش سے ابوابؓ (۶) نے بیان کیا کہ ”امیر المؤمنین علیؓ نے عبد اللہ بن عباسؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا، اور عبد اللہؓ نے اپنے خطبے میں سورہ بقرہ (یا سورہ نور) تلاوت کر کے ایسی تفسیر بیان کی کہ اگر روم ترک و یملم کے کفار بھی سن لیتے، تو ضرور اسلام لے آتے۔“ (۷)

اسماعیل (۸) بن عبد الرحمن سدی (کبیر) اپنی تفسیر میں زیادہ تر ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ ہی

۱- تفسیر ابن جریر ص ۳۵ جلد ۱ - ۲- سلیمان بن مہران الاعمش الکوفی۔

۳- ایضاً تفسیر ابن جریر - ۴- مسند امام احمد طبع احمد شاہ ص ۱۵ جلد ۵۔

۵- تفسیر ابن جریر ص ۳۰ جلد ۱ - ۶- ابوابؓ عبد اللہ بن بکیر واعظ - (تہذیب ۱۵۳ جلد ۵)

۷- تفسیر ابن جریر ص ۳۶ جلد ۱۔

۸- سدی کبیر لقب ہے اسماعیل بن عبد الرحمن کوفی محدثین کے ہاں ان کا پایہ بلند نہیں ہے اگرچہ بالکل ساقط بھی

نہیں، وفات ۱۲۷ھ (تہذیب) لیکن سدی صغیر (محمد بن مروان) ساقط الاعتبار ہے۔ (تہذیب)

کے اقوال روایت کرتے ہیں، لیکن بعض اوقات ان کی زبانی اہل کتاب کے اقوال بھی نقل کر جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل کتاب سے روایت کرنے کی اجازت دی ہے فرمایا ”میری طرف سے دوسروں کو پہنچاؤ اگرچہ وہ ایک آیت ہی ہو اور بنی اسرائیل سے روایت کرنے میں حرج نہیں، لیکن جو کوئی جان بوجھ کر میری نسبت جھوٹ بولے، دوزخ میں اپنا ٹھکانا بھی بنا لے۔“ یہ حدیث بخاری نے عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت کی ہے۔ (۱)

انہی عبد اللہ بن عمروؓ کو جنگ یرموک میں دو بوجھ اہل کتاب کی کتابوں کے دستیاب ہو گئے تھے اور وہ اسی حدیث سے اجازت سمجھنے کی بنا پر ان کتابوں سے روایت کرنے لگے تھے۔

اسرائیلی روایات کی حیثیت

لیکن یہ یاد رہے کہ اسرائیلیات، استشہاد کے لیے تو روایت کی جاسکتی ہیں، مگر اعتقاد کے لیے نہیں، کیونکہ اسرائیلیات تین قسم کی ہیں، وہ جن کی صحت ہمارے پاس کی ہدایت سے معلوم ہو چکی ہے، تو ان کی ہم تصدیق کرتے ہیں، اور وہ جن کا جھوٹ ہمارے پاس کی ہدایت سے ثابت ہے، ظاہر ہے ہم ان کے بطلان کے قائل ہیں، اور تیسری قسم ایسی ہے جس کے بارے میں ہماری ہدایت خاموش ہے، نہ تصدیق کرتی ہے نہ تکذیب، تو ایسی اسرائیلیات پر ہم نہ ایمان رکھتے ہیں نہ انہیں جھٹلاتے ہیں۔ ان کی روایت زیادہ سے زیادہ استشہاد کے لیے جائز ہو سکتی ہے۔

لیکن اکثر و بیشتر اسرائیلیات ایسی ہیں کہ ان سے دین میں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، اسی لیے خود علماء اہل کتاب کا بھی ان میں بڑا اختلاف ہے، لیکن ان اسرائیلیات کی وجہ سے بھی مفسرین میں اختلاف پڑ گیا ہے، جیسا کہ یہ اختلاف کہ اصحاب کہف کے نام کیا تھے؟ ان کے کتے کا رنگ کیسا تھا؟ ان کی تعداد کتنی تھی؟ یا یہ کہ عصائے موسیٰ علیہ السلام کس درخت کی لکڑی کا تھا؟ وہ کون پرندے تھے جنہیں خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے زندہ کر دیا تھا؟ گائے کا وہ کون سا حصہ تھا، جس سے مقتول کو مارا گیا تھا؟ اور وہ کون سا درخت تھا، جس میں سے خدائے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا؟ وغیرہ امور جنہیں خدا نے قرآن میں مبہم رکھا ہے، اور ان کے علم سے کسی کو دنیا میں یا دین میں کوئی فائدہ بھی نہیں ہوتا، مگر اس بارے میں اہل کتاب کا اختلاف نقل کرنا جائز ہے، جیسا کہ خود خدا نے قرآن میں ذکر فرمایا ہے:

سيقولون ثلاثة رابعهم كلبهم؛ ويقولون خمسة سادسهم كلبهم؛
رجماً بالغيب ويقولون سبعة وثامنهم كلبهم قل ربي اعلم بعدتهم ما
يعلمهم الا قليل فلا تمار فيهم الا مرآء ظاهراً ولا تستفت فيهم منهم
احداً- (كہف: ۳: ۲۲)

”بعض کہیں گے کہ وہ تین ہیں اور چوتھا ان کا کتا اور بعض کہیں گے کہ پانچ ہیں چھٹا
ان کا کتا یہ لوگ بے تحقیق بات ہانک رہے ہیں اور بعض کہیں گے کہ وہ سات ہیں
آٹھواں ان کا کتا ہے تم (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دو میرا رب ان کا شمار خوب
جانتا ہے تھوڑے ہی لوگ جانتے ہیں۔ تم سرسری گفتگو ہی اس سلسلے میں کرو اور کسی
سے بھی اس کے متعلق دریافت نہ کرو۔“

اس آیت کریمہ نے ہمیں سکھایا ہے کہ ایسے مقام میں کس ادب سے کام لینا اور کون سی
روش اختیار کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے تین اقوال کا تذکرہ کیا ہے۔ پہلے دو قولوں کی تضعیف فرمائی
ہے اور تیسرے قول پر سکوت برتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہی قول صحیح ہے اس لیے کہ اگر یہ
باطل ہوتا تو پہلے دونوں اقوال کی طرح اس کی بھی تردید فرمادی جاتی۔ پھر ہماری اس طرف
رہنمائی کی گئی ہے کہ اصحاب کہف کی تعداد کا جاننا بے فائدہ ہے اور ایسے موقع پر ہمیں بس یہ کہہ
دینا مناسب ہے۔ ”قل ربي اعلم بعدتهم“ اور یہ اس لیے کہ ان کی صحیح تعداد کم ہی لوگوں کو
معلوم ہے اور یہ لوگ وہی ہیں جن پر خدا نے یہ چیز ظاہر فرمائی ہے اسی لیے فرمایا ”فلا تمار
فيهم الا مرآء ظاهراً“ یعنی اس بے فائدہ بحث میں اپنے آپ کو نہ ڈالو اور لوگوں سے پوچھ
گچھ بھی نہ کرو کیونکہ انہیں اصلیت کی خبر نہیں، محض اٹکل پچھ باتیں کیا کرتے ہیں۔

اس آیت نے ہمیں یہ بھی تعلیم دی کہ جب کسی مختلف فیہ واقعہ کا تذکرہ کرو تو اسی جگہ تمام
اقوال کا بھی تذکرہ کر کے صحیح قول کی طرف اشارہ کر دیا کرو تا کہ بحث طول نہ پکڑے اور لوگ بے
فائدہ قیل وقال میں پڑ کر اہم مسائل سے غافل نہ ہو جائیں۔

جب کسی مسئلے میں آدمی اختلاف کا تذکرہ کرتا ہے اور لوگوں کے تمام اقوال جمع نہیں کرتا تو

کو تاہی کا مرتکب ہوتا ہے اس لیے کہ ممکن ہے وہی قول حق ہو جسے چھوڑ دیا گیا ہے اسی طرح اگر اختلاف کا ذکر کر کے صحیح قول کو بیان نہیں کرتا تو بھی نقص کا شکار ہوتا ہے اور اگر عمداً غیر صحیح کو صحیح بتاتا ہے تو کذب کا گناہ کرتا ہے اور اگر جہل کی راہ سے ایسا کرتا ہے تو غلطی کا شکار ہوتا ہے۔ اسی طرح جو شخص لاطائل اختلاف کا ذکر کرتا ہے یا ایسے بہت سے اقوال نقل کرنے بیٹھ جاتا ہے جو معنی کے لحاظ سے ایک دو قول ہی ہوتے ہیں تو وقت عزیز برباد کرتا ہے اور جو کوئی غیر صحیح اقوال جمع کرتا ہے دعا بازی کا مرتکب ہوتا ہے۔ واللہ الموفق للصواب (خدا ہی درست راہ کی توفیق بخشنے والا ہے۔)

فصل (۷)

تفسیر میں تابعین کے اقوال کی حیثیت

اور جب تفسیر نہ قرآن میں ملے نہ سنت میں نہ اقوال صحابہ میں تو ایسی صورت میں بہت سے ائمہ اقوال تابعین کی طرف رجوع کرتے ہیں مثلاً مجاہد بن جبر کی طرف جو علم تفسیر میں خدا کی ایک نشانی تھے۔ محمد بن اسحاق نے اپنی اسناد سے روایت کیا ہے کہ مجاہد کہتے تھے۔ "میں نے مصحف قرآنی شروع سے آخر تک تین مرتبہ عبد اللہ بن عباس کے سامنے پیش کیا۔ ہر آیت پر انہیں ٹھہراتا اور تفسیر پوچھتا تھا۔" (۱) اور ترمذی نے اپنی اسناد سے مجاہد کا یہ قول نقل کیا ہے۔ "قرآن میں کوئی آیت نہیں جس کی تفسیر میں کچھ نہ کچھ میں نے سنا نہ ہو۔" ترمذی ہی کی روایت ہے کہ مجاہد نے کہا، "اگر میں نے عبد اللہ بن مسعود کی قرأت لی ہوتی تو قرآن کے بارے میں ابن عباس سے بہت کچھ پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔" (۲)

ابن جریر نے ابن ابی ملیکہ (۳) سے روایت کیا ہے کہ میں نے مجاہد کو دیکھا کہ اپنے کاغذ لیے ابن عباس کے پاس پہنچے اور تفسیر قرآن کے بارے میں سوال کرنا شروع کیا۔ ابن عباس نے فرمایا، لکھتے جاؤ اسی طرح مجاہد نے پوری تفسیر پوچھ لی۔ اسی لیے سفیان ثوری کہا کرتے تھے۔ "جب مجاہد سے تفسیر ملے تو یہ تمہارے لیے کافی ہے۔" (۴)

اسی طرح دوسرے تابعین و تبع تابعین ہیں جن کا پایہ تفسیر میں بلند ہے مثلاً سعید بن جبیر عکرمہ مولیٰ ابن عباس عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، (۵) مسروق بن الاعدع، (۶) سعید بن المسیب، ابو العالیہ، (۷) ربیع، (۸) قتادہ، ضحاک، (۹) بن مزاحم وغیرہ اور ان کے بعد کے علماء

- ۱- تفسیر ابن جریر ص ۴۰ جلد ۱- ۲- شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس میں تشریح الفاظ بھی ساتھ ہوں گے۔
- ۳- عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی ملیکہ تابعی (تہذیب) ۳- تفسیر ابن جریر ص ۴۰ ج ۱-۷
- ۵- امام حسن بن ابی الحسن بصری ابو سعید کنیت مشہور شخصیت وفات ۱۱۰ھ (تہذیب صفحہ ۲۶۳ جلد ۲-
- ۶- ابو عاصم مسروق بن الاعدع الکوفی تابعی- وفات ۶۳ھ - ۷- ابو العالیہ رفیع بن مہران البصری کبار تابعین سے تھے- وفات ۹۰ھ - ۸- ربیع بن انس الکندی تابعی ہیں وفات ۱۳۹ھ-
- ۹- ابوالقاسم ضحاک بن مزاحم الحراسانی- یہ بزرگ بھی تابعی ہیں- تفسیر میں ان کی زیادہ شہرت تھی- وفات ۱۰۵ھ-

”صالحین۔“

مختلف اقوال میں تطبیق کی ضرورت

آیت کی تفسیر میں ان حضرات کے اقوال نقل کرنا چاہیے، مگر ان اقوال کے مختلف لفظ دیکھ کر بے علم لوگ اس وہم میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ان کا آپس میں اختلاف ہے اور اسی وہم کی بنا پر ان اقوال کو اختلافات کہہ کر پیش کرنے لگتے ہیں حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہوتا۔ کسی قول میں چیز کے ازم یا نظیر کو بیان کیا ہوتا ہے اور کسی قول میں بعینہ اسی چیز کا تذکرہ ہوتا ہے۔ الفاظ تو مختلف ہوتے ہیں، مگر معنایان میں اختلاف نہیں ہوتا، بلکہ ایک ہی چیز کا جدا جدا لفظوں میں بیان و اظہار ہوتا ہے۔ سلف کی تفسیروں میں ایسا بہت نظر آتا ہے۔ لہذا اسے سمجھنا اور خیال میں رکھنا چاہیے۔ واللہ الہادی!

شعبہ^(۱) بن الحجاج وغیرہ کہتے ہیں، تابعین کے اقوال جب فروع احکام میں حجت نہیں تو تفسیر قرآن میں کیونکر حجت ہو سکتے ہیں؟ مطلب یہ ہے کہ خلاف جانے والوں پر حجت نہیں ہوں گے اور یہ صحیح ہے، لیکن جب تابعین کا اجماع ہو جائے تو بلاشبہ وہ حجت ہے۔ ہاں جب ان میں اختلاف ہو تو ایک تابعی کا قول نہ دوسرے تابعی پر حجت ہوگا، نہ بعد والوں پر بلکہ ایسی صورت میں تفسیر کرتے ہوئے قرآن و سنت کی زبان کو عام لغت عرب کو یا اقوال صحابہؓ کو مد نظر رکھنا چاہیے۔

تفسیر بالرائے حرام ہے

لیکن محض رائے سے من گھڑت تفسیر کرنا حرام ہے ابن عباسؓ سے حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص بغیر علم کے قرآن میں گفتگو کرتا ہے اپنے لیے دوزخ میں ٹھکانا بنا لے۔“ یہی حدیث ایک اور طریقہ سے بھی ابن عباسؓ سے روایت ہوئی ہے۔ (۲) سنن ترمذی کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی اپنی رائے سے قرآن میں کچھ کہے اور اس کا کہنا صحیح ہو تو بھی وہ غلطی کا مرتکب ہے۔“ ترمذی نے اس حدیث کو غریب“ (۳) بتایا ہے اور بعض علماء حدیث نے اس کے ایک راوی سہیل بن ابی حزم کے ثقہ ہونے میں کلام کیا ہے۔ (۴)

۱- حافظ حدیث ابوبسطام شعبہ بن الحجاج الواسطی البصری - وفات ۱۶۰ھ تفصیلات کے لیے دیکھو (تہذیب

ص ۳۳۸-۳۳۶ جلد ۲) - ۲- مشکوٰۃ کتاب العلم فصل دوسری -

۳- یعنی ایک سند والی روایت - ۴- مشکوٰۃ ایضاً روایت حضرت جندبؓ -

ممانعت کی انہی حدیثوں کی بنا پر بعض اہل علم نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ کے صحابہ اس بارے میں سخت تھے کہ کوئی شخص بغیر علم کے تفسیر قرآن کرنے بیٹھ جائے، مجاہد اور قتادہ وغیر علماء نے بیشک تفسیریں کی ہیں، لیکن ان کے حق میں گمان نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے بغیر علم کے یا محض اپنی رائے سے تفسیر کر دی ہے، اور کھلی بات ہے کہ جو شخص محض اپنی رائے و خیال سے تفسیر کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے، ایک ایسی ذمہ داری اپنے سر لے لیتا ہے، جس کا اسے کوئی علم نہیں، اور ایسی راہ چلتا ہے، جس کا اسے حکم نہیں دیا گیا۔ اب اگر وہ کوئی تفسیر صحیح بھی کر جاتا ہے، تو بھی غلطی ہی میں پڑا رہتا ہے، کیونکہ سرے سے ہی غلط راہ چلا ہے۔ اس کی مثال ایسے شخص کی ہے جو جہل کی حالت میں لوگوں کے فیصلے کرنے بیٹھ جاتا ہے اور دوزخ میں جا گرتا ہے، اگرچہ اتفاق سے اس کا فیصلہ فی نفسہ درست بھی ہو۔ یہ ضرور ہے کہ صحیح فیصلے کی صورت میں جرم اس سے ہلکا رہے گا، اگر فیصلہ بھی غلط ہو!

قرآن حکیم سے استشہاد

یہ اصول قرآن مجید میں بھی ملتا ہے، دیکھئے بدکاری کا الزام لگانے والوں کو خدا نے جھوٹا قرار دیا ہے۔
فرمایا:

فَاذْلَمَ يَاتُوا بِالشَّهَادَةِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُونَ - (النور - ۲: ۱۳)

”اگر (زنا کے الزام کے لیے) چار گواہ نہ لائیں تو الزام لگانے والے جھوٹے ہیں۔“

پس شاہد نہ لانے والا بہتان تراش، جھوٹا ہے، اگرچہ فی نفسہ بدکاری کے مرتکب ہی پر الزام لگا رہا ہو، کیونکہ ایسی بات منہ سے نکالتا ہے، جو اس کے لیے جائز نہیں اور ایسی بات کہتا ہے، جس کا اسے علم نہیں، یا جسے ثابت نہیں کر سکتا۔ واللہ اعلم۔

سلف صالحین کا احتیاط

اسی لیے سلف صالحین اسی تفسیر سے قطعی گریز کرتے تھے، جس کا علم نہیں ہوتا تھا۔ شعبہ کی روایت ہے کہ ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا ”کون زمین مجھے اٹھائے گی اور کون آسمان مجھ پر سناہ کرے گا اگر کتاب اللہ میں ایسی بات کہوں، جس کا مجھے علم نہیں۔“^(۱) امام ابو عبیدہ ابراہیم تمیمی

سے روایت کرتے ہیں کہ ابو بکر صدیقؓ سے وفا کھتہ و ابا (عبس) کے بارے میں سوال کیا گیا، جواب میں کہنے لگے ”کون زمین مجھے اٹھائے گی اور کون آسمان مجھ پر سایہ کرے گا“ اگر کتاب اللہ میں ایسی بات منہ سے نکالوں جس کا مجھے علم نہیں۔

نیز امام ابو عبید بن سلام^(۱) ہی حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ منبر پر تھے کہ پڑھا ”وفا کھتہ و ابا“ پھر کہنے لگے ”فا کھتہ تو ہم جانتے ہیں، مگر اب کیا ہے؟ پھر کچھ سوچ کر کہنے لگے“ اے عمر! خواہ مخواہ کی کرید اسی کو کہتے ہیں!“ امام عبد بن حمیدؒ سے انسؓ سے روایت کیا ہے کہ ہم حضرت عمرؓ کے پاس موجود تھے۔ ہم نے دیکھا ان کے کرتے کی پیٹھ پر چار پیوند لگے ہیں۔ پھر انہوں نے پڑھا ”وفا کھتہ و ابا“ اور کہنے لگے ”یہ اب کیا ہے؟“ پھر خود ہی کہا ”اسی کو تکلف کہتے ہیں تو اگر نہیں جانتا تو حرج بھی کیا ہے۔“^(۲)

ان روایتوں کا مطلب یہ ہے کہ حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کے سامنے اب کی کیفیت سے بحث تھی ورنہ ظاہر ہے جانتے تھے کہ اب زمین کی ایک نبات ہے۔ اب کائنات ہونا اس سے بھی ظاہر ہے کہ خدا فرماتا ہے:

فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا وَعِنَبًا وَقَضْبًا وَرَزَيْنُونًا وَنَخْلًا وَحَدَآئِقَ غُلْبًا (عبس)

”پھر اگایا ہم نے اس میں اناج اور انگور اور سبزیاں اور زیتون اور کھجوریں اور باغ گھنے۔“

ابن جریر کی روایت ہے کہ ”ابن عباسؓ سے ایک ایسی آیت کے بارے میں سوال کیا گیا کہ اگر تم میں سے کسی سے کہا جاتا تو ضرور جواب دیتا، مگر ابن عباسؓ نے کچھ کہنے سے صاف انکار کر دیا۔“^(۳) اس روایت کی اسناد صحیح ہے امام ابو عبیدؒ نے ابن ابی ملیکہؒ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ابن عباسؓ سے سوال کیا: اس ارشاد قرآنی میں دن سے کیا مراد ہے؟ فسی یوم کان مقداره الف سنة (الم السجدہ) (ایسا دن جس کا اندازہ ہزار سال ہے) تو ابن عباسؓ

۱- امام ابو عبیدؒ قاسم بن سلام ہرویؒ تفسیر حدیث لغت فقہ کے امام اسلامی اقتصادیات پر آپ کی کتاب ”لا موال“ ہے۔ جو اپنے موضوع پر بہترین ہے۔ مصر میں طبع ہو چکی ہے۔ دقات ۲۲۳ھ۔ (ابن

خلکان ص ۲۱۹ جلد ۱)

۲- اس مضمون کی روایات تفسیر ابن جریر میں بھی ہیں۔ ص ۵۹-۶۰ ج ۳۰ طبع ثانی مصر۔

۳- تفسیر ابن جریر ص ۳۸ جلد اول۔

نے اس شخص سے اٹنے سوال کیا اور یہ دن کونسا ہے: یوم کان مقدارہ خمسين الف سنة (الحاقہ)؟ اس پر وہ شخص کہنے لگا "میں پوچھ رہا ہوں تاکہ آپ مجھے بتائیں" ابن عباسؓ نے جواب دیا۔ "یہ دو دن ہیں جن کا ذکر خدا نے اپنی کتاب میں کیا ہے اور خدا ہی ان دنوں کی حقیقت بہتر جانتا ہے۔" (۱)

ابن جریرؒ کی روایت ہے کہ طلق بن حبیبؒ حضرت جنذب بن عبد اللہ کے پاس آئے اور قرآن کی ایک آیت کے بارے میں سوال کیا۔ جنذب نے جواب دیا "میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ اگر مسلمان ہو تو میرے پاس سے اٹھ جاؤ!!" (۲) (یا کہا کہ میرے پاس مت بیٹھو) امام مالکؒ (۳) کہتے ہیں: یحییٰ بن سعید نے سعید بن المسیب کے بارے میں بیان کیا کہ جب ان سے کسی قرآنی آیت کی تفسیر پوچھی جاتی تو فرماتے "ہم قرآن کے معاملے میں کچھ نہیں کہتے۔" (۴) انہی یحییٰ بن سعید کا قول ہے کہ سعید بن المسیب قرآن کے معلوم حصول پر ہی گفتگو کرتے تھے۔ (۵) عمرو بن مرہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے سعید بن المسیب سے کسی آیت کی تفسیر دریافت کی تو کہنے لگے "قرآن کے بارے میں مجھ سے نہیں بلکہ اس شخص سے سوال کرو جس کا دعویٰ ہے کہ قرآن کی کوئی بات بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔" یہ اشارہ عکرمہ کی طرف تھا۔ (۶) یزید بن ابی یزید کہتے ہیں کہ ہم سعید بن المسیب سے حلال و حرام کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے اس چیز کا انہیں سب سے زیادہ علم تھا، لیکن جب ہم کسی آیت کی تفسیر دریافت کرتے تو اس طرح چپ ہو جاتے، گویا سنا ہی نہیں۔ (۷)

ابن جریرؒ کی روایت ہے کہ عبید اللہ بن عمر کہا کرتے تھے۔ میں نے فقہاء مدینہ کو دیکھا ہے کہ وہ قرآن کی تفسیر کے معاملے کو بہت بڑا سمجھتے تھے۔ یہ فقہاء سالم بن عبد اللہؒ (۸) قاسم بن محمد سعید بن المسیب اور نافع دیلیسی ہیں۔ (۹)

امام ابو عبیدہؒ روایت کرتے ہیں کہ ہشام بن عروہ کہا کرتے تھے "میں نے کبھی نہیں دیکھا

۱- نیز تفسیر ابن جریر ص ۷۲ ج ۲۹ طبع ثانی مصر - ۲- تفسیر ابن جریر ص ۳۸ ج ۱۷-

۳- امام مالک بن انسؒ مالکی مسلک کے موسس - وفات ۱۷۹ھ - ۴- تفسیر ابن جریر ص ۳۷ ج ۱-

۵- ایضاً ص ۳۸ ج ۱ - ۶- تفسیر ابن جریر ص ۳۸ ج ۱ - ۷- ایضاً ص ۳۸

۸- سالم بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب وفات ۱۰۶ھ (تہذیب ص ۳۳ جلد ۳ - ۹- تفسیر ابن جریر ص ۳۷ ج ۱-

کہ میرے والد کتاب اللہ کی کسی آیت کی تفسیر کرتے ہوں۔“ (۱)

محمد بن سیرین کا بیان ہے کہ میں نے عبیدہ سلمانی سے ایک آیت قرآنی کے بارے میں دریافت کیا تو کہنے لگے ”وہ لوگ چلے گئے جو جانتے تھے کہ قرآن کس بارے میں نازل ہوا ہے تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ خدا سے ڈرو اور سیدھی راہ چلتے رہو!“

امام ابو عبیدہ نے اپنی سند سے مسلم بن یسار کا یہ قول نقل کیا ہے۔ ”جب تم اللہ کے کلام میں گفتگو کرنے لگو تو ٹھہر کر دیکھو کہ اس کے آگے کیا ہے اور پیچھے کیا ہے۔“

ابراہیم کہتے ہیں ”ہمارے اساتذہ تفسیر کرنے سے بچتے اور ڈرتے تھے۔“
شععی کہا کرتے تھے ”بخدا کوئی آیت ایسی نہیں جس کے بارے میں دریافت نہ کر چکا ہوں، لیکن تفسیر تو یہ خدا کی طرف سے روایت ہے۔“

یہی بات مسروق فرمایا کرتے تھے ”تفسیر کرنے سے بچو اور ڈرو، کیونکہ اللہ کی طرف سے روایت ہے۔“

یہ اور ایسے ہی آثار صحیحہ کا مطلب یہ ہے کہ سلف صالحین بغیر علم کے تفسیر میں دخل نہیں دیتے تھے، لیکن جس شخص کو لغت و شرع کے اعتبار سے علم حاصل ہو اس کے لیے تفسیر کرنے میں مضائقہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہی سلف سے تفسیریں بھی روایت ہوئی ہیں اور دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں۔ وہ بولتے تھے جب جانتے تھے اور جس کا علم نہیں ہوتا تھا اس پر سکوت اختیار کر لیتے تھے اور یہی سب پر واجب بھی ہے لیکن جس طرح بے علمی کی حالت میں سکوت واجب ہے اسی طرح علم کی صورت میں سوال ہونے پر جواب دینا بھی واجب ہے، کیونکہ خدا فرماتا ہے:

لَتَسْتَبِينَ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ (آل عمران ع ۱۹)

”لوگوں کے لیے ضروری ہے ظاہر کریں (قرآن کو) اور اسے چھپائیں نہیں۔“

کیونکہ متعدد طرق سے مروی حدیث میں ارشاد ہوا ہے ”جس شخص سے علم کے بارے میں

سوال کیا جاتا ہے اور وہ علم کو چھپا جاتا ہے، قیامت کے دن اس کے منہ میں آتشیں لگام دی جائیگی۔ (۱) ابن جریر نے اپنی اسناد سے روایت کیا ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا ”تفسیر چار طرح پر ہے، وہ تفسیر جسے عرب اپنی لغت کی راہ سے جانتے ہیں۔ وہ تفسیر جس سے جہل کسی کو معاف نہیں۔ وہ تفسیر جس کا علم علماء کو ہے اور وہ تفسیر جسے خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“ (۲) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

۱- مکتوٰۃ کتاب العلم فصل دوسری بحوالہ جامع ترمذی وغیرہ۔

۲- تفسیر ابن جریر ص ۳۳ طبع ثانی۔ مصطفیٰ البابی مصر ۱۳۷۳ھ ۱۹۵۳ء۔

ہماری درسی مطبوعات

التعلیقات السلفية على سنن النسائي

حدیث شریف کی مشہور و معروف اور صحاح ستہ کی درس نظامی میں متداول ایک اہم کتاب۔ ما قبل کے تمام نسخوں سے صحت میں اعلیٰ۔ التعلیقات السلفیہ طلبہ کو پیش آمدہ درسی اشکالات کے حل میں سب سے ممتاز مسلک محدثین کی ترجمان اور معترضین کے دلائل کا مدلل و دشانی پیچیدہ اور مسکت جوابات کی حامل۔ طبع آفست ۵ کاغذ سفید ۵ پشتہ والی جلد

حجة اللہ البالغہ

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی مدارس عربیہ میں داخل نصاب وہ مشہور کتاب جس میں حدیث و فقہ تصوف، حکمت تشریح اسرار و تہافت اور اخلاق و فلسفہ کے مباحث۔

بلوغ المرام

آفست کی اعلیٰ طباعت اور سہری و مضبوط جلد کے ساتھ حدیث پاک کی مشہور و بابرکت درسی کتاب، علم حدیث کا ہر طالب علم جس سے اس فن شریف کی ابتدا کرتا ہے۔ طبع قدیم کو خوبصورت آفست پر طبع کیا گیا ہے۔

شرح عقیدہ طحاویہ

امام طحاوی علیہ الرحمۃ کی تصنیف لطیف عقیدہ الطحاویہ کی سب سے مقبول شرح جس میں ایمان صفات باری تعالیٰ اور دیگر فرق اسلامیہ اور ان کے عقائد پر سیر حاصل بحث ہے۔

ابتدا میں شیخ زہیر الشاہ لیس حفظہ اللہ کی توضح اور فضیلتہ شیخ الہانی رحمہ اللہ کا مقدمہ بھی شامل ہے۔ سفید کاغذ اور مضبوط جلد کے ساتھ۔

دیوان حماسہ

درس نظامی اور ایم اے عربی میں داخل نصاب عربی کی اہم کتاب جس میں متداول عربی حواشی کے علاوہ جدید اسلوب میں رواں اردو ترجمہ کے ساتھ ساتھ عربی کے مشکل الفاظ کی مختصر اور جامع تشریح بھی ہے۔

عمدہ طباعت کا اعلیٰ نمونہ: دیز کاغذ اور پشتہ والی جلد

رد الاشرک

شاہ اسماعیل شہید علیہ الرحمۃ کی اصل عربی تصنیف تقویۃ الایمان (اسی کتاب کے حصصہ عقائد) کا ترجمہ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے قلم سے ہے اور ”تذکیر الاخوان“ روایت کا ترجمہ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے رفیق جہاد کی قلم سے اصل عربی نسخہ کی طباعت کی سعادت المکتبۃ السلفیہ کے حصہ میں آئی یہ کتاب بعض ان مدارس میں داخل نصاب ہے جہاں ذریعہ تعلیم عربی زبان ہے۔

سبعہ معلقہ ترجمہ مع عربی شرح

درس نظامی کی اس معروف اور دیرین کتاب کے مشکل الفاظ کی شرح کے علاوہ اشعار کا اردو ترجمہ بھی ہے نیز ہر معلقہ کے شروع میں اس کے متعلق مفید نوٹس کا اضافہ ہے۔ ”عربی زبان“ اس کی ”ابتداء“ اور ”اس میں تبدیلی“ جیسے کئی دیگر اہم عنوانات کا حامل ایک معلوماتی مقدمہ بھی شروع میں شارح علیہ الرحمۃ کی قلم سے ہے۔

سفید کاغذ۔ عمدہ طباعت۔ دورنگہ دیز ڈسٹ کور

ابواب الصرف

علم صرف کی ابتدائی اور بنیادی کتاب جسے پڑھے بغیر ابواب اور ان کے صیغوں سے طالب نا آشنا رہتا ہے۔ عمدہ طباعت اور سفید کاغذ

عمدۃ الاحکام کلام تہ الامام

چھٹی صدی ہجری کے محدث شیخ عبدالغنی مقدسی رحمہ اللہ کا صحیحین میں آمدہ احادیث احکام کا ایسا انتخاب جو ہر دور میں مقبول عام رہا ہے۔ یہ کتاب بعض مدارس میں بلوغ المرام کی جگہ داخل نصاب ہے۔ پاکستان میں دیدہ زیب طباعت پر صحیح ترجمہ۔

کتاب التوحید

شیخ الاسلامؒ نے اس کتاب میں توحید رب العالمین اور صفات باری تعالیٰ کے موضوع پر آیات و احادیث کی مختصر واضح اور آسان فہم

شرح فرمائی ہے۔ گزشتہ چند سالوں سے بعض مدارس کی ابتدائی جماعتوں کے نصاب میں داخل ہے۔ صرف عربی صرف اردو عربی اردو ترجمہ

اصول الدین الاسلامی (عربی)

ارکان اسلام، ارکان ایمان، ایمان کی شاخیں اور سیرت نبویہ کی ابتدائی اور بنیادی معلومات کو آسان ترین سوال و جواب میں تحریر کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب بھی بعض مدارس کے نصاب میں داخل ہے۔

قصب السکر فی نظم نخبہ الفکر

حافظ ابن حجرؒ کی اصول حدیث پر بے نظیر کتاب نخبہ الفکر کو شیخ اسماعیل یحییٰ ۱۰۵۹ھ ۱۱۸۲ھ میں طلباء کی آسانی کے لیے نظم کر دیا تھا۔ ابتداء ہی میں اگر طلباء کو یہ رسالہ حفظ کر دیا جائے تو تہنیتی کلاسوں میں ان کو آسانی رہتی ہے ہم نے آخری دو صفحات میں اصطلاحات حدیث سے زبان اردو بھی لگادی ہیں۔

ہادی شرح زراوی

علم صرف کی منفرد اور پیچیدہ کتاب زراوی کی ایسی عمدہ شرح جس میں ابواب کی خاصیات اور صیغوں کی تعلیمات آسان تر الفاظ میں تفصیلی انداز میں بیان کی گئی ہیں۔ سفید کاغذ اور عمدہ طباعت

نخبۃ الاحادیث

حضرت مولانا محمد داؤد غزنوی رحمہ اللہ نے اسلامی عقائد اور تعلیمات پر مشتمل یکصد (۱۰۰) احادیث کا یہ انتخاب کیا تھا جو اکثر مدارس میں داخل نصاب ہے۔ آخر میں احادیث کے مشکل الفاظ کی تشریح کا حصہ الگ ہے۔ عمدہ کتابت کے ساتھ اردو شرح دیدہ زیب جلی ٹائپ میں اعراب کے ساتھ متن اور آخر میں عمدہ انداز کے ساتھ اردو تشریح۔